تفسیر ابن کثیر (اُردو)

جس پر علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ اس کے بعد کی تمام تفاسیر قرآن اسی سے ماخوذ ہیں

مصنفہ

علامہ ابن کثیرؒ

: ترجمہ قرآن پاک :

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

: حواشی واضافات :

مولانا انظر شاہ کشمیری مدرس دار العلوم دیوبند ابن حضرت مولانا علامہ

سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ سابق محدث دار العلوم

دیوبند

پارہ ۲۹

جزء ۳۰

ناشر

مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور
(یو پی)

طبع چہارم ---------- دسمبر ۸۱

مطبوعہ .... محمد پرنٹنگ پریس دیوبند

ہدیہ .... آٹھ روپے

فہرست مضامین تفسیر ابن کثیر اردو پارہ ۲۹ جزء ۳۰

ہمارا چوتھا پروگرام

جدید مشکوٰۃ شریف مترجم عربی معہ اردو

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ادارہ فیض القرآن کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کیا۔ ہم ادارہ نہایت مسرت کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ ہمارے چوتھے پروگرام کے تحت جدید مشکوٰۃ شریف مترجم (عربی معہ اردو) شائع کی جارہی ہے یہ مکمل پروگرام صرف بیس اقساط میں ختم کر دیا جائیگا

مشکوٰۃ شریف حدیث کی وہ بلند پایہ کتاب ہے جس کی شہرت اور وقعت کے پیش نظر تمام عالم اسلامی میں داخل درس کی گئی ہے۔ حدیثوں میں چونکہ آمیزش کی ابتدا ہو گئی تھی اس لئے اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی نے عرصۂ دراز کی محنت کے بعد مشکوٰۃ شریف کے نام سے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دیگر مستند کتب احادیث سے ماخوذ چھ ہزار سے زائد احادیث نبوی کا گرانقدر مجموعہ پیش کیا ہے۔ ترجمہ اردو اور مقدمہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے لکھا ہوا ہے "مشکوٰۃ شریف مترجم" دیگر کتب خانوں سے بارہا اس کی تسہیل چھپتی رہی ہے، ہم نے مستند علماء کی خدمات حاصل کی ہیں جو نہایت محنت اور عرق ریزی کے ساتھ کتابت و طباعت کی اغلاط سے کتاب کو پاک و صاف کر رہے ہیں۔ بار دہ مروجہ استعمال کی گئی ہے۔ کاغذ، کتابت اور طباعت کا بہتر انتظام کیا گیا ہے جسکی وجہ سے بلا شبہ ہمارے اڈیشن نے سابقہ اڈیشنوں میں ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا ہے

پروگرام

"جدید مشکوٰۃ شریف مترجم" بیس اجزاء میں مکمل چھاپی جارہی ہے، ہر جزء کی ضخامت اوسطاً نوے صفحات ہوگی۔ ہر صفحہ پر دو کالم ہونگے۔ پہلے کالم میں عربی حدیث مکمل اعراب اور ترتیب کے ساتھ، اور مقابل کالم میں اس کا سلیس اور رواں اردو ترجمہ ہوگا۔ سائز ۲۰×۳۰ کاغذ سفید، کتابت و طباعت اعلیٰ، ہر جزء کی عام ہدیہ دو روپیہ ہوگا۔ ممبران کیلئے ہر جزء ایک روپیہ ۲۵ پیسے میں دیا جائے گا۔

فیس ممبری

اس مکمل سلسلہ میں شرکت کیلئے ایک روپیہ فیس بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر ممبر بنجائیے۔ ممبران کی خدمت میں "جدید مشکوٰۃ شریف مترجم" کا ایک جزء ایک روپیہ ۲۵ پیسے اور ڈاک خرچ ۷۵ پیسے شامل ہو کر دو روپے کی وی پی سے روانہ ہوگا۔ یاد رکھئے جسقدر زائد اجزاء یکجا منگائے جائیں گے ڈاک خرچ کے مصارف کم سے کم ہوتے چلے جائیں گے۔ اگر آپ پانچ اجزاء یکجا طلب کریں تو معہ ڈاک خرچ صرف آٹھ روپے کی وی پی ارسال ہوگی۔ اس طرح یہ عظیم المرتبت حدیث کا بیش قیمت خزانہ رفتہ رفتہ آپ کے ہاتھوں میں مکمل پہونچ جائے گا۔

نمونہ کے صفحات مفت طلب فرمائیں — دیگر تفصیلات کیلئے لکھئے

ادارہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضائل سورۂ ملک

مسند احمد میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کریم میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والے کی سفارش کرتی رہے گی یہاں تک کہ اُسے بخش دیا جائے، وہ سورت تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ الخ ہے ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن کہتے ہیں تاریخ ابن عساکر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امت میں ایک شخص مر گیا جس کے ساتھ کتاب اللہ میں کی سوائے سورۂ تبارک الذی کے اور کوئی چیز نہ تھی، جب اُسے دفن کیا گیا اور فرشتہ اُس کے پاس آیا تو یہ سورت اُس کے سامنے کھڑی ہو گئی فرشتے نے کہا تو کتاب اللہ ہے میں تجھے ناراض کرنا نہیں چاہتا، تجھے معلوم ہے کہ تیرے یا اپنے یا اس میت کے کسی نفع نقصان کا مجھے اختیار نہیں، اگر تو یہی چاہتی ہے تو تو اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر اس کی سفارش کر، چنانچہ یہ سورت اللہ عزوجل کے پاس جائے گی اور کہے گی خدایا تیری کتاب میں سے مجھے فلاں شخص نے سیکھا پڑھا اب کیا تو اُسے آگ میں جلائے گا؟ کیا باوجودیکہ میں اُس کے سینے میں محفوظ ہوں تو اُسے عذاب کریگا؟ اگر یہی کرنا ہے تو مجھے اپنی کتاب میں سے مٹا ڈال، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس وقت سخت غضبناک ہے، یہ کہے گی مجھے حق ہے کہ میں اپنی ناراضگی ظاہر کردوں، پس جنابِ باری کا ارشاد ہوگا کہ جا میں نے اُسے تجھے دیا اور تیری سفارش قبول کر لی، اب یہ سورت اس کے پاس آئے گی اور عذاب کے فرشتے کو ہٹا دیگی اور اس کے منہ سے اپنا منہ ملا کر کہے گی اس منہ کو مرحبا ہو یہی میری تلاوت کیا کرتا تھا اس سینے کو صد شاباش ہو اس نے مجھے یاد کر رکھا تھا، ان دونوں قدموں کو مبارک باد ہو، یہی کھڑے ہو کر راتوں کو میری قرأت کے ساتھ قیام کرتے تھے، اور یہ سورت قبر میں اس کی مونس اور غمخوار بن جائیگی اور کوئی دہشت، خوف اسے نہیں پہنچنے دیگی اس حدیث کے سنتے ہی تمام چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام نے اسے سیکھ لیا، اس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُنَجِّيَةٌ رکھا، یعنی نجات دلوانے والی سورت، لیکن یہ یاد رہے کہ یہ حدیث بہت ہی منکر ہے[۱] اس کے راوی فرات بن سائب کو امام احمد رح،

---

[۱] اور خود اس روایت کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں۔

امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام ابو حاتم، امام دار قطنی وغیرہ ضعیف کہتے ہیں، اور دوسری سند سے ہے کہ یہ قول امام زہری کا ہے مرفوع حدیث نہیں، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "اثبات عذاب القبر" میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مرفوع بھی بیان کی ہے اور موقوف بھی، اس میں بھی جو مضمون ہے وہ اس کی شہادت میں کام دے سکتا ہے، ہم نے اسے احکام کبریٰ کی کتاب الجنائز میں بیان کیا ہے، وللہ الحمد۔ طبرانی وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی ایک سورت ہے جس نے اپنے پڑھنے والے کی طرف سے خدا تعالیٰ سے لڑ جھگڑ کر اسے جنت میں داخل کرایا وہ سورۂ تبارک الذی ہے۔ ترمذی شریف میں ہے کہ کسی صحابی نے جنگل میں ایک ڈیرا لگایا جہاں ایک قبر تھی لیکن اسے علم نہ تھا، اس نے سنا کہ کوئی شخص سورۂ ملک پڑھ رہا ہے اور اس نے اسے پوری پڑھی، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا واقعہ بیان کیا تو حضور نے فرمایا یہ سورت روکنے والی ہے یہ سورت نجات دلوانے والی ہے جو عذاب قبر سے نجات دلواتی ہے، یہ حدیث غریب ہے، ترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے سورۂ الٓمّٓ تنزیل السجدہ اور سورۂ تبارک الذی ضرور پڑھ لیا کرتے تھے حضرت طاؤس کی روایت ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن کی دوسری سورتوں پر ستر فضیلت رکھتی ہیں طبرانی میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں میری دلی منشاء ہے کہ یہ سورت میری امت میں سے ہر ایک کے دل میں رہے یعنی سورۂ ملک، یہ حدیث بھی غریب ہے اور اس کا راوی ابراہیم ضعیف ہیں، اور اسی جیسی روایت سورۂ یٰسین کی تفسیر میں گزر چکی ہے مسند عبد بن حمید میں ذرا بسط کے ساتھ بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص سے فرمایا کہ آ میں تجھے ایک ایسا تحفہ دوں کہ تو خوش ہو جائے تبارک الذی پڑھا کر، اور اسے اپنی اہل و عیال کو ... گھر کے بچوں کو اور پڑوسیوں کو سکھا، یہ سورت نجات دلوانے والی اور شفاعت کرنے والی ہے قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کی طرف سے خدا تعالیٰ سے سفارش کریگی اور اسے عذاب آگ سے بچائے گی، اور عذاب قبر سے بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تو چاہتا ہوں کہ یہ ہر ایک امتی کے دل میں ہو۔

ثلٰثون اٰیۃ وفیہا رکوعان	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○	سورۃ الملک مکیۃ وھی

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ ① الَّذِيْ خَلَقَ

وہ (خدا) بڑا عالیشان ہے جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور

الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ②

حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَا

جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھیگا سو تو (اب کی) پھر

رْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ

نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے (تمہیں بتا تامل تو نے بہت بار دیکھا ہوگا اب کی بار تامل سے نگاہ کر) پھر بار بار نگاہ کو

إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ۝٤ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ

ڈال کر دیکھ (آخر کار) نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئیگی اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے آراستہ کر رکھا ہے

وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ۝٥

اور ہم نے ان (ستاروں) کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنا دیا ہے اور ہم نے ان (شیاطین) کیلئے (آخرت میں بوجہ ان کے کفر کے) دوزخ کا عذاب (بھی) تیار کر رکھا ہے

بڑی بابرکت ہے اُس کی ذات

اللہ تعالیٰ اپنی تعریف بیان فرما رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ تمام مخلوق پر اُسی کا قبضہ ہے جو چاہے کرے کوئی اُس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اُس کے غلبہ اور حکمت اور عدل کی وجہ سے اُس سے کوئی باز پرس بھی نہیں کر سکتا وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہے پھر اپنا موت[1] و حیات کا پیدا کرنا بیان فرما رہا ہے اس آیت سے ان لوگوں کے لئے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ موت ایک وجودی امر ہے کیونکہ وہ بھی پیدا کی ہوئی ہے آیت[2] کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق کو عدم سے وجود میں لایا تاکہ اچھے اعمال والوں کا امتحان ہو جائے، جیسے اور جگہ ہے كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ۔ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو؟ تم تو مُردہ تھے پھر اُس نے تمہیں زندہ کر دیا، پس پہلے حال یعنی عدم کو یہاں بھی موت کہا گیا اور اس پیدائش کو حیات کہا گیا اسی لئے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ وہ پھر تمہیں مار ڈالے گا اور پھر زندہ کر دے گا، ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بنی آدم موت کی ذلت میں تھے دنیا کو اللہ تعالیٰ نے حیات کا گھر بنا دیا پھر موت کا اور آخرت کو جزا کا۔ پھر بقا کا۔ لیکن یہی روایت ایک دوسرے موقعہ پر حضرت قتادہؓ کا قول بیان کی گئی ہے آزمائش اس امر کی ہے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے؟ اکثر عمل والا نہیں بلکہ بہتر عمل والا وہ باوجود غالب اور بلند جناب ہونے کے پھر عاصیوں اور سرتابی لوگوں کے لئے جب وہ رجوع کریں اور توبہ کریں معاف کرنے اور بخشنے والا بھی ہے۔ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے ایک پر ایک، گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک پر ایک ملا ہوا ہے لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ درمیان میں جگہ ہے اور ایک دوسرے کے اوپر فاصلہ سے ہے، زیادہ صحیح یہی قول ہے اور حدیث معراج وغیرہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے پیدائش پروردگار میں تو کوئی کمی و عیب نہ پائے گا بلکہ تو دیکھے گا کہ وہ برابر ہے نہ ہیر پھیر ہے نہ مخالفت اور بے ربطی ہے نہ کمی اور عیب اور خلل ہے، اپنی نظر آسمان کی طرف ڈال[3] اور غور سے دیکھ کہ کہیں کوئی عیب، ٹوٹ پھوٹ، شگاف و سوراخ دکھائی دیتا ہے؟ پھر بھی اگر شک رہے تو دو دفعہ دیکھ لے کوئی کمی نظر نہ آئیگی گو تو نے خوب نظریں جما کر ٹٹول کر دیکھا ہو پھر بھی ناممکن ہے کہ تجھے کوئی شکست و ریخت نظر آئے تیری نگاہیں تھک کر اور ناکام ہو کر نیچی ہو جائیں گی کمی کی نفی کر کے اب کمال کا اثبات ہو رہا ہے، تو فرمایا آسمانِ دنیا کو ہم نے ان قدرتی چراغوں یعنی ستاروں سے بارونق بنا رکھا ہے جن میں بعضے چلنے پھرنے والے ہیں اور بعض ایک جا ٹھیرے رہنے والے ہیں، پھر ان کا ایک اور فائدہ بیان ہو رہا ہے کہ ان سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے ان میں سے شعلے نکل کر ان پر گرتے ہیں، یہ نہیں کہ خود ستارہ اُن پر ٹوٹے واللہ اعلم، شیاطین کی دنیا میں یہ رسوائی تو دیکھتے ہی ہو آخرت

[1] یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ حیات تو خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے لیکن موت شیطان نے نا فرمانی کر کے پیدا کرادی ہے آیت میں صاف اس عقیدہ کی تردید ہے بتایا گیا کہ حیات اور موت دونوں خدا تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں [2] صاحب روح المعانی نے بھی لکھا ہے کہ اہل سنت کا خیال یہی ہے کہ موت ایک امر وجودی ہے گو حیات کے منافی ہے۔ والموت على ما ذهب اليه الكثيرون من اهل السنة صفة وجودية تضاد الحيوة امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں یہی بات تحریر فرمائی ہے [3] پہلی نظر عوام کی ہے جو صرف ظاہری حسن دیکھتے ہیں دوسری محققین کی جو مخلوق کی مصالح پر نظر رکھتے ہیں اور تیسری نظر عارفین کی جو سب دیکھنے کے بعد اپنے جہل و عجز کا اعتراف کرتے ہیں۔

تب بھی ان کے لئے جلانے والا عذاب ہے جیسے سورۂ صافات کے شروع میں ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی ہے اور سرکش شیطانوں کی حفاظت انہیں کر دی ہے، وہ بلند بالا فرشتوں کی باتیں سن نہیں سکتے، اور ہر طرف کی مار سے دھکیل دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے اگر کوئی ان میں سے ایک آدھ بات اُچک لے کر بھاگتا ہے تو اس کے پیچھے چمکدار تیز شعلہ لپکتا ہے، حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، ستارے تین فائدوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، آسمان کی زینت، شیطانوں کی مار، اور راہ پانے کے نشانات جس شخص نے اس کے سوا اور کوئی بات تلاش کی اس نے رائے کی پیروی کی اور اپنا صحیح حصہ کھو دیا! اور باوجود علم نہ ہونے کے تکلف کیا (ابن جریر اور ابن ابی حاتم)

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑥ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا

اور جو لوگ اپنے پروردگار (کی توحید) کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے جب یہ لوگ اس میں ڈالے جاویں گے

لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ⑦ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا

تو اس کی ایک بڑی زور کی آواز سنیں گے اور وہ اس طرح جوش مار رہی ہو گی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی غصہ کے مارے پھٹ پڑے گی جب اس میں کوئی گروہ (کافروں کا)

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ⑧ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ

ڈالا جائے گا تو اس کے محافظان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں آیا تھا وہ کافر بطور اعتراف کے) کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا

مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ⑨ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا

(پیغمبر) آیا تھا سو یہ ہماری شامت تھی کہ) ہم نے (اسکو) جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے (از قبیل احکام کتب) کچھ نازل نہیں کیا اور تم بڑی غلطی میں پڑے ہو اور کافر

فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ⑩ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ⑪

فرشتوں سے یہ بھی) کہیں گے کہ ہم اگر سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں (شامل) نہ ہوتے غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے سو اہل دوزخ پر لعنت ہے۔

اور کفار اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے وہ جہنمی ہے اس کا انجام اور جگہ بد سے بدتر ہے۔ یہ بلند اور مکروہ گدھے کی سی آوازیں مارنے والی اور جوش مارنے والی جہنم ہے جو آگ پر چل رہی ہے، جس طرح دانت پیس رہی ہے کہ گویا ابھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی ان دوزخیوں کو زیادہ ذلیل کرنے اور آخری حجت قائم کرنے اور اقبالی مجرم بنانے کے لئے داروغہ جہنم ان سے پوچھتے ہیں کہ بدنصیبو! کیا خدا کے رسولوں نے تمہیں اس سے ڈرایا نہ تھا؟ تو یہ اپنے ہاتھ کرتے ہوئے اپنی جانوں کو پیٹتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ آئے تو تھے لیکن وائے بدنصیبی کہ ہم نے انہیں جھوٹا جانا اور خدا کی کتاب کو بھی نہ مانا اور پیغمبروں کو بے راہ بتایا، اب عدل خدا صداقت ثابت ہو چکا ہے اور فرمان باری پورا اترتا ہے۔ جو اس نے فرمایا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں دیتے، ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہے حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا جب جہنمی جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے اور جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور داروغہ جہنم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ جو تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے، تو کہیں گے کہ ہاں آئے تو تھے اور ڈرایا بھی تھا لیکن کافروں پر کلمۂ عذاب ثابت ہو گیا، اب اپنے آپ کو ملامت کریں گے

اور کہیں گے کہ اگر ہمارے کان ہوتے اگر ہم میں عقل ہوتی تو دھوکے میں نہ پڑے رہتے ، اپنے مالک حقیقی کے ساتھ کفر نہ کرتے نہ رسولوں کو
جھٹلاتے نہ اُن کی تابعداری سے منہ موڑتے ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تو اُنہوں نے خود اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا ان کے لئے لعنت ہو دور ہوں
بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگ جب تک دنیا میں اپنے آپ میں خود عذر کرتے رہیں گے اور اپنی برائیوں کو آپ دیکھ نہ لیں
گے ہلاک نہ ہوں گے (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ قیامت والے دن حجت قائم کی جائے گی کہ خود انسان سمجھ لے گا کہ ہیں دوزخ میں جانے
کے ہی قابل ہوں ۔ (مسند احمد)

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١٢﴾ وَأَسِرُّوا

بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم (ثواب) ہے اور تم اپنی بات چھپا کر

قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٣﴾ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ

بات کہو یا ظاہر کر کے (اس کو سب خبر ہے کیونکہ) وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب واقف ہے (اور بھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا

خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا

اور وہ باریک بیں (اور) پورا باخبر ہے وہ ایسا (منعم) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا سو تم اس کے رستوں میں چلو پھرو

فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾

اور خدا کی (دی ہوئی) روزی میں سے (جو زمین میں پیدا کی ہے) کھاؤ (پیو اور کھا پی کر اسکو بھی یاد رکھنا) اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے

ع ۱

خشیت الٰہی اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو خوشخبری سنا رہا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں، گو تنہائی میں
ہوں جہاں کسی کی نگاہیں اُن پر نہ پڑ سکیں، تاہم خوف خدا سے کسی نافرمانی کے کام کو نہیں کرتے نہ اطاعت و عبادت سے جی
چراتے ہیں، ان کے گناہ بھی وہ معاف فرما دے گا اور زبردست ثواب اور بہترین اجر عنایت فرمائے گا ۔ جیسے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جن سات شخصوں کو
جناب باری تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ اُس دن دے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا، اُن میں سے ایک وہ ہے جسے کوئی مال و جمال والی عورت
زناکاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور ایک وہ جو اس طرح پوشیدگی سے صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ کی خرچ
کو بائیں ہاتھ کو بھی نہ لگے ۔ مسند بزار میں ہے کہ صحابہ نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے دلوں کی جو کیفیت آپ کے سامنے ہوتی ہے
آپ کے بعد وہ نہیں رہتی، آپ نے فرمایا یہ بتاؤ رب کے ساتھ تمہارا کیا خیال رہتا ہے؟ جواب دیا کہ ظاہر و باطن اللہ ہی کو رب مانتے ہیں، آپ
نے فرمایا جاؤ پھر یہ نفاق نہیں، پھر فرماتا ہے کہ تمہاری چھپی کھلی باتوں کا مجھے علم ہے دلوں کے خطروں سے بھی آگاہ ہوں، یہ ناممکن ہے کہ جو خالق
ہے وہ عالم نہ ہو اور یہ کہ مخلوق سے خالق بے خبر ہو وہ تو بڑا باریک بین اور بے حد خبر رکھنے والا ہے ۔ اس کے بعد اپنی نعمت کا اظہار کرتا ہے کہ زمین کو اس
نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ۔ وہ سکون کے ساتھ ٹھیری ہوئی ہے، ہل کر تمہیں نقصان نہیں پہنچاتی، پہاڑوں کی میخیں اس میں گاڑ دی ہیں، پانی کے
چشمے اس میں جاری کر دیئے ہیں، راستے اس میں مہیا کر دیئے ہیں، ہر قسم کے نفع اس میں رکھ دیئے ہیں پھل اور اناج اس میں سے نکل رہا ہے
جس جگہ تم جانا چاہو جا سکتے ہو طرح طرح کی لمبی سود مند تجارتیں کر رہے ہو، تمہاری کوششیں وہ بار آور کرتا ہے، اور تمہیں اپنی روزی ان اسباب
سے دے رہا ہے، معلوم ہوا کہ اسباب کے حاصل کرنے کی کوشش توکل کے خلاف نہیں، مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اگر تم خدا کی ذات پر
پورا پورا بھروسہ کرو تو وہ تمہیں اسی طرح روزیاں دے جس طرح پرندوں کو دے رہا ہے کہ اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور آسودہ

حال، واپس چلتے ہیں، پس ان کا صبح و شام آنا جانا اور رزق کو تلاش کرنا بھی توکل میں داخل سمجھا گیا کیونکہ اسباب کا پیدا کرنے والا انھیں آسان کرنے والا وہی خدائے واحد ہے، اسی کی طرف قیامت کے دن لوٹنا ہے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ تو مناکب سے مراد راستے کونے اور اِدھر اُدھر کی جگہیں لیتے ہیں، اور قتادہؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ مراد پہاڑ ہیں۔ حضرت بشیر بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور اپنی لونڈی سے جس سے انھیں اولاد ہوئی تھی فرمایا کہ اگر مناکب کی صحیح تفسیر تم بتلاؤ تو تم آزاد ہو، اس نے کہا مراد اس سے پہاڑ ہیں، آپ نے حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، جواب ملا کہ یہ تفسیر صحیح ہے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ

کیا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں بھی اپنا حکم و تصرف رکھتا ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر وہ زمین تھرتھرانے لگے (الٹ پلٹ ہو) یا تم لوگ

اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ

اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں بھی اپنا حکم و تصرف رکھتا ہے کہ وہ تم پر مثل عاد کے ایک ہوا تند بھیج دے کہ جس سے تم ہلاک ہو جاؤ) سو عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا

نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا

تھا (یعنی میرا عذاب) کیسا صحیح تھا اور ان سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں انھوں نے (دین حق کو) جھٹلایا تھا سو دیکھ لو ان پر میرا عذاب کیسا واقع ہوا کیا ان لوگوں نے

اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؔؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا

اپنے اوپر پرندوں کی طرف نظر نہیں کی کہ پر پھیلائے ہوئے اڑتے پھرتے ہیں اور کبھی اسی حالت میں پر سمیٹ لیتے ہیں بجز خدائے رحمن کے ان کو کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے

الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾

بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے (اور جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے)

یہ کیسا خیال باطل

ان آیتوں میں بھی اللہ تبارک تعالیٰ اپنے لطف و رحمت کا بیان فرما رہا ہے کہ لوگوں کے کفر و شرک کی بنا پر وہ طرح طرح کے دیگر عذابوں پر بھی قادر ہے لیکن اس کا علم و عفو ہے کہ وہ عذاب نہیں کرتے۔ جیسے اور جگہ فرمایا وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ الخ یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی برائیوں پر پکڑ لے تو روئے زمین پر کسی کو باقی نہ چھوڑتے، لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک انھیں مہلت دیئے ہوئے ہیں، جب ان کا وہ وقت آ جائے گا تو خدا تعالیٰ ان مجرم بندوں سے آپ نپٹ لیں گے، یہاں بھی فرمایا کہ زمین اِدھر اُدھر ہو جاتی اور ہلنے اور کانپنے لگ جاتی اور یہ سارے کے سارے اس میں دھنسا دیئے جاتے، یا ان پر ایسی آندھی بھیج دی جاتی جس میں پتھر ہوتے اور ان کے دماغ توڑ دیئے جاتے، جیسے اور جگہ ہے اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ الخ یعنی کیا تم نڈر ہو گئے ہو کہ زمین کے کسی کنارے میں تم دھنس جاؤ یا تم پر وہ پتھر برسائے اور کوئی نہ ہو جو تمہاری وکالت کر سکے، یہاں بھی ارشاد ہے کہ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری دھمکیوں کو اور ڈرانے کو نہ ماننے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ تم اپنے سے پہلے لوگوں کو دیکھو کہ انھوں نے بھی نہ مانا اور انکار کر کے میری باتوں کی تکذیب کی تو ان کا کس قدر بُرا اور عبرتناک انجام ہوا، تم میری قدرتوں کا نمونہ کا یہ مشاہدہ کیا نہیں دیکھ رہے ہو کہ پرندے تمہارے سروں پر اُڑتے پھرتے ہیں کبھی دونوں پروں سے کبھی کسی کو روک کر، پھر کیا میرے سوا کوئی اور انھیں تھامے ہوئے ہے؟ میں نے ہواؤں کو مسخر کر دیا ہے اور وہ معلق اُڑتے پھرتے ہیں، یہ بھی میرا لطف و کرم اور رحمت و نعمت ہے، مخلوقات کی حاجتیں ضرورتیں ان کی اصلاح اور بہتری کا نگراں اور کفیل میں ہی ہوں، جیسے اور جگہ فرمایا اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ الخ کیا انھوں نے ان پرندوں کو نہیں دیکھا؟ جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں،

جن کو تھامنے والا بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں، یقیناً اس میں ایمانداروں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں،

أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ الْكَافِرُونَ

بجز رحمٰن کے سوا وہ کون ہے جو تمہارا لشکر بن کر آفت سے تمہاری حفاظت کرسکے اور کافر جو معبودوں کی نسبت ایسا خیال کئے ہوئے ہیں تو وہ دھوکے ہی میں

إِلَّا فِي غُرُورٍ ﴿٦﴾ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ

(اور) بالکل بہکے ہوئے ہیں، وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچاوے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی بند کرلے (مگر یہ لوگ اس سے بھی متاثر نہیں ہوتے) بلکہ یہ لوگ

بَل لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ﴿٧﴾ أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ

سرکشی اور نفرت (حق) پر جمے ہوئے ہیں، سو (مومن و کافر کا حال دیکھنا ہے) اس کو سوچ کر کیا جو شخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو وہ منزل مقصود پر زیادہ

أَهْدَىٰ أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٨﴾ قُلْ هُوَ

پہنچنے والا ہوگا یا وہ شخص جو سیدھا ایک ہموار سڑک پر چلا جارہا ہو آپ ان سے کہئے کہ (ایسا قادر و منعم) وہ ہے جس نے

الَّذِي أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ

تم کو پیدا کیا اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے (مگر) تم لوگ

قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٩﴾ قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَ

بہت کم شکر کرتے ہو (اور) آپ یہ بھی کہئے کہ وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلایا اور

إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٠﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ

تم اسی کے پاس (قیامت کے روز) اکٹھے کئے جاؤگے اور یہ لوگ (جب قیامت کا ذکر سنتے ہیں تو) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم

صَادِقِينَ ﴿١١﴾ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ

(لوگ) سچے ہو آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ یہ (تعین کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض (عذاب الٰہی سے) صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ پھر جب اس (عذاب) کو

زُلْفَةً سِيئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تَدَّعُونَ ﴿١٣﴾

پاس آتا ہوا دیکھیں گے تو اس وقت (مارے غم کے) کافروں کے منہ بگڑ جاویں گے اور ان سے کہا جاوے گا یہ ہے وہ جس کو تم مانگا کرتے تھے (کہ عذاب لاؤ)

پھر کون مددگار ہو اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس عقیدے کی تردید کررہا ہے کہ جن بزرگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ ان کی امداد کرسکتے ہیں اور انہیں روزیاں پہنچا سکتے ہیں، تو فرماتا ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے نہ تو کوئی مدد دے سکتا ہے نہ روزی پہنچا سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے کافروں کا یہ عقیدہ محض ایک دھوکہ ہے اب اگر اللہ تبارک و تعالیٰ تمہاری روزیاں روک لے تو پھر کوئی بھی انہیں جاری نہیں کرسکتا، دینے لینے پیدا کرنے اور فنا کرنے پر، رزق دینے اور مدد کرنے پر صرف اللہ عزوجل ہی وحدہ لاشریک لہ کو ہی قدرت ہے یہ لوگ خود اس اصول سے جانتے ہیں لیکن پھر بھی اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ کفار اپنی گمراہی کی راہ

عناد اور سرکشی میں بہکے چلے جاتے ہیں ان کی طبیعتوں میں ضد تکبر اور حق سے انکار بلکہ حق کی عداوت بیٹھ چکی ہے یہاں تک کہ بھلی باتوں کا سننا بھی انہیں گوارا نہیں عمل کرنا تو درکنار؟ پھر مومن و کافر کی مثال بیان فرماتا ہے کہ کافر کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص کبڑا ہو کر سر جھکائے نظریں نیچی کئے چلا جا رہا ہے نہ راہ دیکھتا ہے نہ اسے معلوم ہے کہ کہاں جا رہا ہے بلکہ حیران پریشان راہ بھولا اور بہکا ہوا ہے، اور مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سیدھی راہ پر سیدھا کھڑا ہوا چل رہا ہے راستہ خود صاف اور بالکل سیدھا ہے یہ شخص اسے بخوبی جانتا ہے اور برابر صحیح طور پر چل رہا ہے یہی حال ان کا قیامت کے دن ہوگا کہ کافر تو اوندھے منہ جہنم میں جمع کئے جائیں گے اور مسلمان عزت کے ساتھ جنت میں پہنچا دئے جائیں گے جیسے اور جگہ ہے اُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا الآیہ ظالموں کو اور ان کے ہمشکل جیسوں کو اور ان کے ان معبودوں کو جو خدا کے سوا تھے جمع کر کے جہنم کا راستہ دکھا دو الخ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضور لوگ منہ کے بل جمع کر کس طرح حشر کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا جس نے پیروں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ صحیحین میں بھی یہ روایت ہے خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ جب کہ تم کچھ نہ تھے پیدا کیا، تمہیں کان آنکھ اور دل دئے یعنی عقل و ادراک تم میں پیدا کیا لیکن تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو یعنی اپنی ان قوتوں کو خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے میں بہت ہی کم خرچ کرتے ہو۔ خدا تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا تمہاری زبانیں جداگانہ تمہارے رنگ روپ جداگانہ تمہاری شکلوں صورتوں میں اختلاف اور تم زمین کے چپے چپے پر بسا دئیے گئے، پھر اس پراگندگی اور بکھرنے کے بعد وہ وقت بھی آئیگا کہ تم سب اس کے سامنے لاکر کھڑے کر دئیے جاؤ گے اس نے جس طرح تمہیں ادھر ادھر پھیلا دیا ہے اسی طرح ایک طرف سمیٹ لیگا اور جس طرح اولاً اس نے تمہیں پیدا کیا دوبارہ تمہیں لوٹائے گا۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ کافر جو دوبارہ جینے کے قائل نہیں وہ اس دوسری زندگی کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں اس کا بیان سنکر اعتراض کرتے ہیں کہ اچھا پھر وہ وقت کب آئیگا جس کی ہمیں خبر دے رہے ہو اگر سچے ہو تو بتا دو کہ اس پراگندگی کے بعد اجتماع کب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ انہیں جواب دے دو کہ اس کا علم مجھے نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی اسے تو صرف وہی عالم الغیب ہی جانتا ہے ہاں اتنا مجھے بتا دیا گیا ہے کہ قیامت آئیگی ضرور، میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں تمہیں خبردار کر دوں، اور اس دن کی ہولناکیوں سے مطلع کر دوں میرا فرض تو صرف تمہیں پہنچا دینا تھا جسے میں بحمد اللہ ادا کر چکا۔ پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ جب قیامت قائم ہو جائیگی اور کفار اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور معلوم کر لیں گے کہ اب وہ قریب ہی آگئی ہے کیونکہ ہر آنے والی چیز آکر ہی رہتی ہے گو دیر سے ہو پھر جب وہ آ جائیگی تو جس چیز کو اب تک جھٹلاتے تھے، پہلے انہیں بہت برا لگیگا کیونکہ اپنی غفلت کا نتیجہ سامنے دیکھ لیں گے قیامت کی ہولناکیاں جو خیال سے بھی باہر تھیں آثار سب سامنے ہوں گے اس وقت ان سے بطور ڈانٹ کے اور بطور ذلیل کرنے کے کہا جائیگا جس کی تم جلدی کرتے تھے

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَن مَّعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَن يُجِيرُ

کہدیجئے کہ بھلا دیکھو تو اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو (جو تمہاری تمنا ہے) ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے تو

الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿١٤﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمَٰنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا

کافروں کو عذاب دردناک سے کون بچائے گا (اے نبی ان سے یہ بھی) کہئے کہ وہ بڑا مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اسی پر توکل کرتے ہیں

فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٥﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا

سو عنقریب تم کو معلوم ہو جائیگا کہ صریح گمراہی میں کون ہے کہدیجئے کہ بھلا دیکھو تو اگر تمہارا پانی (جو کنوؤں میں ہے) نیچے اتر جائے ع ۲

فَمَن يَأْتِيكُم بِمَاءٍ مَّعِينٍ ﴿١٦﴾

تو کون ہے جو تمہارے لئے صاف پانی (کا چشمہ) جاری کر دے

اور کھینچ قیامت میں وہی سب کچھ سامنے آجائے گا جو اس دنیا میں انسان کرتا رہا ہے ... کے اعمال کی تصویر ہی ہیں کافر کا یہ انکار بلکہ کائنات کے متعلق انکار ہو یا قیامت کا ... اور مومن کائنات میں ... سے استدلال ... عقیدہ پر قائم رہے اس لئے حشر میں ان کا اسی استدلال و معرفت کے ساتھ ہوگا

ایمان اور اس کی برکات، کفر اور اس کی نحوستیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! ان مشرکوں سے کہو جو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں کہ تم جو اس بات کی تمنا میں ہو کہ ہمیں نقصان پہنچے تو فرض کرو کہ ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نقصان پہنچا، یا اس نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر رحم کیا لیکن اس سے تمہیں کیا؟ صرف اس امر سے تمہارا چھٹکارا تو نہیں ہو سکتا، تمہاری نجات کی صورت تو نہیں! نجات تو موقوف ہے توبہ کرنے پر، خدا کی طرف جھکنے پر، اس کے دین کو مان لینے پر، ہمارے بچاؤ یا ہلاکت پر تمہاری نجات نہیں تم ہمارا خیال چھوڑ کر اپنی بخشش کی صورت تلاش کرو، پھر فرمایا ہم رب العالمین رحمٰن و رحیم پر ایمان لا چکے اپنے تمام امور میں ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے جیسے ارشاد ہے فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر، اب تم عنقریب جان لو گے کہ دنیا اور آخرت میں فلاح و بہبود کسے ملتی ہے اور نقصان و خسران میں کون رہتا ہے؟ رب کی رحمت کس پر ہے؟ اور ہدایت پر کون ہے؟ خدا کا غضب کس پر ہے؟ اور بری راہ پر کون ہے؟ پھر فرماتا ہے اگر اس پانی کو جس کے پینے پر انسان کی زندگی کا مدار ہے زمین چوس لے یعنی زمین سے نکلے ہی نہیں گو تم کھودتے کھودتے تھک جاؤ تو سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی ہے جو چشموں اور ابلنے والا اور جاری ہونے والا پانی تمہیں دے سکے؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اس پر قادر کوئی نہیں وہی ہے جو اپنے فضل و کرم سے پاک صاف نتھرے ہوئے اور صاف پانی کو زمین پر جاری کرتا ہے جو ادھر سے ادھر تک پھر جاتا ہے اور بندوں کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے ضرورت کے مطابق ہر جگہ با آسانی مہیا ہو جاتا ہے فالحمدللہ۔ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ ملک کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

تفسیر سورۃ القلم مکیۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝١ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝٢ وَ

ن قسم ہے قلم کی اور (قسم ہے) ان فرشتوں کے لکھنے کی جو کہ کاتب اعمال ہیں کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں (جیسا کہ منکرین نبوت کہتے ہیں) اور

اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝٣ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝٤ فَسَتُبْصِرُ

بےشک آپ کے لئے (اس تبلیغ احکام پر) ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں اور بےشک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں سو عنقریب

وَيُبْصِرُوْنَ ۝٥ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝٦ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ

(پہلے کیونکہ) عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون مجنون تھا آپ کا رب خوب جانتا ہے اس کو بھی جو اس کی راہ سے

ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝٧

بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ (راست) پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

آپ بڑے فرزانہ ہیں

الٓمّ وغیرہ جیسے حروف ہجا کا مفصل بیان سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے اسلئے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں، کہا گیا ہے کہ یہاں ن سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ایک محیط عالم پانی پر ہے جو ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہے۔

ف حدیث میں ہے کہ اس آیت کے جواب میں اَللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کہنا چاہیے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ! اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ ڈال، پس اس دن سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس پر قلم جاری ہو گیا پھر خدا نے تعالیٰ نے مچھلی پیدا کی اور پانی کے بخارات بلند کئے جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر رکھا، مچھلی نے حرکت کی جس سے زمین بھی ہلنے لگی۔ پس زمین پر پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط اور ساکن کر دیا، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم) مطلب یہ ہے کہ یہاں ن سے مراد یہ مچھلی ہے طبرانی میں مرفوعاً مروی ہے کہ سب سے پہلے خدا نے تعالیٰ نے قلم کو اور مچھلی کو پیدا کیا، قلم نے دریافت کیا میں کیا لکھوں؟ حکم ہوا ہر وہ چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے پھر آپ نے پہلی آیت کی تلاوت کی، پس نون سے مراد یہ مچھلی ہے اور قلم سے مراد یہ قلم ہے، ابن عساکر کی حدیث میں ہے کہ سب کو پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر نون یعنی دوات کو پھر قلم سے فرمایا لکھ لے! اس نے پوچھا کیا؟ فرمایا جو ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے عمل رزق عمر موت وغیرہ، پس قلم نے سب کچھ لکھ لیا، یہی مراد ہے اس آیت میں، پھر قلم پر مہر لگا دی اب وہ قیامت تک نہ چلے گا، پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم اپنے دوستوں میں تو میں تجھے کمال تک پہنچاؤں گا اور اپنے دشمنوں میں تجھے ناقص رکھوں گا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ مشہور تھا کہ نون سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے بغوی وغیرہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کی پیٹھ پر ایک چٹان ہے جس کی حجامت آسمان و زمین کے برابر ہے اس پر ایک بیل ہے جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں اس کی پیٹھ پر ساتوں زمینیں اور ان کی تمام مخلوق ہے، واللہ اعلم۔ اور تعجب تو یہ ہے کہ ان بعض مفسرین نے اس حدیث کو بھی انہی معنے پر محمول کیا ہے جو مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آ گئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور بہت کچھ سوالات کئے کہا کہ میں وہ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جنہیں نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، بتلائیے قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ کبھی بچہ اپنے باپ کی طرف کھنچتا ہے کبھی ماں کی طرف؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ باتیں ابھی ابھی جبرئیلؑ نے مجھے بتلا دیں، ابن سلامؓ کہنے لگے فرشتوں میں سے یہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا دشمن ہے، آپؐ نے فرمایا کہ سنو! قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ کا نکلنا ہے جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف لے جائیگی، اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جائے تو لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جائے تو وہی کھینچ لیتی ہے، دوسری حدیث میں اتنی زیادتی ہے کہ پوچھا جنتیوں کے اس کھانے کے بعد انہیں کیا ملیگا؟ فرمایا جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت میں چرتا چگتا رہا تھا پوچھا انہیں پانی کونسا ملیگا؟ فرمایا سلسبیل نامی نہر کا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد ن سے نور کی تختی ہے ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد نور کی تختی اور نور کا قلم ہے جو قیامت تک کے احوال پر چل چکا ہے ابن جریجؒ فرماتے ہیں مجھے خبر دی گئی ہے کہ یہ نورانی قلم سو سال کی طوالت رکھتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ن سے مراد دوات ہے اور قلم سے مراد قلم ہے، حسنؒ اور قتادہؒ بھی یہی فرماتے ہیں، ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ مروی ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ن کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نون یعنی دوات کو پیدا کیا اور قلم کو پیدا کیا پھر فرمایا لکھ! اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا جو قیامت تک ہونے والا ہے، اعمال خواہ نیک ہوں خواہ بد، روزی خواہ حلال ہو خواہ حرام، پھر یہ بھی کہ کونسی چیز دنیا میں کب جائیگی کس قدر رہے گی کیسے نکلے گی؟ پھر خدا تعالیٰ نے بندوں پر محافظ فرشتے مقرر کئے اور کتاب پر داروغے مقرر کئے، محافظ فرشتے ہر دن کے عمل خازن فرشتوں سے دریافت کر کے لکھ لیتے ہیں، جب رزق ختم ہو جاتا ہے، عمر پوری ہو جاتی ہے اجل آ پہنچتی ہے تو محافظ فرشتے داروغہ فرشتوں کے پاس آ کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ آج کے دن کا کیا سامان ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ بس اس شخص کے لئے ہمارے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا، یہ سن کر یہ فرشتے نیچے اترتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ مر گیا، اس بیان کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم تو عرب ہو کیا تم نے قرآن میں محافظ فرشتوں کی بابت یہ نہیں پڑھا: اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے اعمال کو اصل سے نقل کر کے لکھ لیا کرتے تھے

لے اور فرشتوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کہ کاتب اعمال ہیں۔ ۱۲

ق: یہ تو تھا لفظ نٓ کے متعلق بیان اب قلم کی نسبت سنئیے۔ بظاہر مراد یہاں عام قلم ہے جس سے لکھا جاتا ہے، جیسے اور جگہ فرمان عالیشان ہے اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ یعنی اس خدا تعالیٰ نے قلم سے لکھنا سکھایا، پس اس کی قسم کھا کر اس بات پر آگاہ کی جاتی ہے کہ مخلوق پر میری ایک نعمت یہ بھی ہے کہ میں نے انہیں لکھنا سکھایا جس سے علوم تک ان کی رسائی ہو سکے، اسی لئے اس کے بعد فرمایا وَمَا یَسْطُرُوْنَ یعنی اس چیز کی قسم جو لکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ اس چیز کی جو جانتے ہیں سدیؒ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے فرشتوں کا لکھنا ہے جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں، اور مفسرین کہتے ہیں کہ مراد اس سے وہ قلم ہے جو قدرتی طور پر چلا اور تقدیریں لکھیں آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے، اور اس قول کی دلیل میں یہ جماعت وہ حدیثیں وارد کرتی ہے جو قلم کے ذکر میں موجود ہیں، حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے ذکر لکھا گیا۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبیؐ! تو بحمد اللہ دیوانہ نہیں، جیسے کہ تیری قوم کے جاہل منکرین حق کہتے ہیں۔ بلکہ تیرے لئے اجر عظیم ہے اور ثواب بے پایاں ہے جو نہ ختم ہو نہ ٹوٹے نہ کٹے کیونکہ تو نے حق رسالت ادا کر دیا ہے اور ہماری راہ میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی ہیں ہم تجھے بے حساب اجر دیں گے، تو بہت بڑے خلق پر ہے یعنی دین اسلام پر، اور بہترین ادب پر ہے۔ حضرت عائشہؓ سے اخلاق نبویؐ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ آپؐ کا خلق قرآن تھا۔ سعیدؒ فرماتے ہیں یعنی جیسے کہ قرآن میں ہے، اور حدیث میں ہے کہ صدیقہؓ نے پوچھا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ سائل حضرت سعید بن ہشامؒ نے کہا ہاں پڑھا ہے آپ نے فرمایا بس تو آپؐ کا خلق قرآن کریم تھا۔ مسلم میں یہ حدیث پوری پوری ہے جسے ہم سورۂ مزمل کی تفسیر میں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ بنو سواد کے ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے بھی یہ کہہ کر پھر آیت وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ تلاوت فرمائی، اس نے کہا کوئی ایک آدھ واقعہ تو بیان کیجئے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سنو! ایک مرتبہ میں نے بھی آپؐ کے لئے کھانا پکایا اور حضرت حفصہؓ نے بھی، میں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ دیکھ اگر میرے کھانے سے پہلے حضرت حفصہؓ کے ہاں کا کھانا آ جائے تو تو گرا دینا، چنانچہ اس نے یہی کیا اور برتن بھی ٹوٹ گیا حضورؐ بکھرے ہوئے کھانے کو سمیٹنے لگے اور فرمایا اس برتن کے بدلے ثابت برتن تم دو، واللہ اور کچھ ڈانٹا ڈپٹا نہیں۔ (مسند احمد) مطلب اس حدیث کا جو کئی طرق سے مختلف الفاظ میں کئی کتابوں میں ہے یہ ہے کہ ایک تو آپؐ کی جبلت اور پیدائش میں ہی خدائے عالم نے پسندیدہ اخلاق بہترین خصلتیں اور پاکیزہ عادتیں رکھی تھیں تو اس طرح آپؐ کا عمل قرآن کریم پر ایسا تھا کہ گویا احکام قرآن کا مجسم عملی نمونہ آپ ہیں، ہر حکم کو بجا لانے اور ہر ممنوع چیز سے رک جانے میں آپؐ کی حالت تھی کہ گویا قرآن میں جو کچھ ہے وہ آپؐ کی عادتوں اور آپؐ کے کریمانہ اخلاق کا بیان ہی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال تک خدمت کی لیکن کسی دن بھی آپؐ نے ادنیٰ درجہ کی ناراضگی کا اظہار تک نہیں فرمایا کسی کرنے کے کام کو نہ کروں، یا نہ کرنے کے کام کو کر گزروں تو بھی ڈانٹ ڈپٹ تو کیا اتنا بھی نہ فرماتے کہ ایسا کیوں ہوا؟ حضورؐ سب سے زیادہ خوش خلق تھے حضورؐ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ تو ریشم ہے نہ کوئی اور چیز، حضورؐ کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار چیز میں نے تو کوئی نہیں سونگھی نہ مشک اور نہ عطر (صحیحین) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوب صورت اور سب سے زیادہ خلیق تھے آپؐ کا قد نہ تو بہت لانبا تھا نہ آپؐ پست قامت تھے، اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ شمائل ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے نہ تو کبھی کسی خادم یا غلام کو مارا نہ بیوی بچوں کو نہ کسی اور کو، ہاں خدا کی راہ کا جہاد الگ چیز ہے جب کبھی دو کاموں میں آپ کو اختیار دیا جاتا تو آپؐ اسے پسند فرماتے جو زیادہ آسان ہوتا، ہاں یہ اور بات ہے کہ اس میں کچھ گناہ ہو تو آپؐ اس سے بہت دور ہو جاتے، کبھی بھی حضورؐ نے اپنا بدلہ کسی سے نہیں لیا ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی خدا تعالیٰ کی حرمتوں کو توڑتا ہو تو آپؐ خدا کے احکام جاری کرنے کے لئے عزم وانتقام لیتے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں میں بہترین اخلاق اور پاکیزہ ترین عادتوں کو پورا

ملہ یہ کیفیت اس کا باعث یعنی جو دوسرے برتنوں میں بھی ہے اور جس سے دنیا کی کوئی عورت خالی نہیں خواہ وہ نبی کے گھر میں ہو یا کسی اور کے۔

ملہ انتقام کے ساتھ تو اس کی تعبیر غلط ہے یوں کہنا چاہئیے کہ آپؐ ناراض ہوتے۔

کرنے کے لئے آیا ہوں۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! آپ اور آپ کے مخالف اور منکر ابھی ابھی جان لیں گے کہ دراصل گمراہ کون تھا؟ جیسے اور جگہ ہے۔ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ انہیں ابھی کل ہی معلوم ہو جائیگا کہ جھوٹا اور شیخی باز شرارتی کون تھا؟ جیسے اور جگہ ہے وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی پر۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی یہ حقیقت قیامت کے دن کھل جائیگی، آپ سے مروی ہے کہ مفتون مجنون (دیوانے) کو کہتے ہیں، مجاہدؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی کون شیطان کے نزدیک تر ہے؟ مفتون کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو حق سے بہک جائے اور گمراہ ہو جائے آیکم پر ب کو اس لئے داخل کیا گیا کہ دلالت ہو جائے کہ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ میں تضمین فعل ہے تو تقدیری عبارت کو ملا کر ترجمہ یوں ہو جائیگا کہ تو بھی اور وہ بھی عنقریب جان لیں گے کہ اور تو بھی اور وہ سب بھی بہت جلدی مفتون کی خبر دیں گے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے بھٹکنے والے اور راہ راست والے سب خدا پر ظاہر ہیں اُسے خوب معلوم ہے کہ راہ راست سے کس کا قدم پھسل گیا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٨﴾ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ﴿٩﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ

تو آپ ان تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے (جیسا اب تک بھی نہیں مانا) یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ (اپنے منصبی کام یعنی تبلیغ میں) ذرا ڈھیلے ہو جائیں تو یہ لوگ بھی ڈھیلے ہو جائیں اور آپ

حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿١٠﴾ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ﴿١١﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿١٢﴾

(بالخصوص) کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جو بہت قسمیں کھانے والا ہو بے وقعت ہو طعنے دینے والا ہو چغلیاں لگاتا پھرتا ہو نیک کام سے روکنے والا ہو حد سے بڑھنے والا ہو گنہگار ہو

عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ﴿١٣﴾ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴿١٤﴾ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا

سخت مزاج ہو اس کے علاوہ بدذات بھی ہو اس سبب سے کہ وہ مال و اولاد والا ہے جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے

قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٥﴾ سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ﴿١٦﴾

کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں ۔ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے۔

ایسے لوگوں سے آپ کا تعلق نہ ہونا چاہیئے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے نبی! جو نعمتیں ہم نے تجھے دیں جو صراط مستقیم اور خلق عظیم ہم نے تجھے عطا فرمایا اب تجھے چاہیئے کہ ہماری نہ ماننے والوں کی تو نہ مان، ان کی تو عین خوشی ہے کہ آپ ذرا بھی نرم پڑیں تو یہ کھل کھیلیں۔ اور یہ بھی مطلب ہے کہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے معبودان باطل کی طرف کچھ تو رخ کریں حق سے ذرا سا تو ادھر اُدھر ہو جائیں۔ پھر فرماتا ہے کہ زیادہ قسمیں کھانے والے کمینے شخص کی بھی نہ مان، چونکہ جھوٹے شخص کو اپنی ذلت اور کذب بیانی کے ظاہر ہو جانیکا ڈر رہتا ہے، اس لئے وہ قسمیں کھا کھا کر دوسرے کو اپنا یقین دلانا چاہتا ہے قسموں پر قسمیں کھائے چلا جاتا ہے اور خدا کے ناموں کو بے موقعہ استعمال کرتا پھرتا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مَهِينٍ سے مراد کاذب ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں ضعیف دل والا، حسنؒ کہتے ہیں حلاف مکابرہ کرنے والا اور مھین ضعیف کمزور۔ همّاز غیبت کرنے والا، چغل خور جو ادھر کی اُدھر لگائے، اور اُدھر کی ادھر تاکہ فساد ہو جائے، طبیعتوں میں بل اور دل میں بیر آ جائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں دو قبریں آ گئیں آپؐ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ پر نہیں، بلکہ ایسے امر پر جو بظاہر بہت ہلکے معلوم ہوتے ہیں ایک تو پیشاب کرنے میں پردے کا خیال نہ رکھتا تھا دوسرا چغل خور تھا الخ (بخاری مسلم) فرماتے ہیں چغل خور جنت میں نہ جائیگا (مسند) دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے یہ حدیث اُس وقت سنائی تھی جب آپ سے کہا گیا کہ یہ شخص خفیہ پولیس کا آدمی ہے مسند احمد کی حدیث

(۱) خفیہ پولیس کی ملازمت کے سلسلہ میں جس سلک کو کسی مفتی ہی سے معلوم کیا جائے لیکن اتنی بات تو بہرحال یہاں بھی جان لینا چاہیئے کہ اس طرح کی ملازمت سے حتی الامکان دامن بچانا چاہیئے اور خصوصاً جب کسی مسلمان کے خلاف یا کسی اسلامی ادارہ کے خلاف کوئی کام کرنا پڑے تو یقیناً اس طرح کی ملازمتیں ایک بڑا گناہ بن جاتی ہیں۔

میں ہے کہ حضور نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بھلا شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور ارشاد فرمائیے فرمایا کہ جب انہیں دیکھا جائے خدا یاد آ جائے اور سب سے بدتر وہ شخص ہے جو چغل خور ہو، دوستوں میں فساد ڈلوانے والا ہو، پاک صاف لوگوں کو تہمت لگانے والا ہو، ترمذی میں بھی یہ روایت ہے۔ پھر ان بد لوگوں کے اور ناپاک خصائل بیان ہو رہے ہیں بھلائیوں سے باز رہنے والا اپنے سے روکنے والا ہے، حلال چیزوں اور حلال کاموں سے ہٹ کر حرام خوری اور حرام کاری میں پڑتا ہے، گنہگار بدکردار محرمات کو استعمال کرنے والا، بدخو بدگو جمع کرنے والا اور نہ دینے والا ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا جنتی لوگ عاجز و ضعیف ہیں جو خدا کے ہاں اس بلند مرتبہ پر ہیں کہ اگر وہ قسم کھا بیٹھیں تو خدا پوری کر دے اور جہنمی لوگ سرکش متکبر اور خود بین ہوتے ہیں اور حدیث میں ہے جمع کرنے والے اور نہ دینے والے بدگو اور سخت خلق، ایک اور روایت میں ہے کہ حضور سے پوچھا گیا عُتُلٍّ زَنِيمٍ کون ہے؟ فرمایا بد خلق، خوب کھانے پینے والا، لوگوں پر ظلم کرنے والا پیٹو آدمی، لیکن اس روایت کو اکثر راویوں نے مرسل بیان کیا ہے اور حدیث میں ہے اس نالائق شخص پر آسمان روتا ہے جسے خدا تعالیٰ نے تندرستی دی پیٹ بھر کھانے کو دیا مال و جاہ بھی عطا فرمائی پھر بھی لوگوں پر ظلم و ستم کر رہا ہے۔ یہ حدیث بھی دو مرسل طریقوں سے مروی ہے۔ غرض عُتُلّ کہتے ہیں جس کا بدن صحیح ہو، طاقتور ہو اور خوب کھانے پینے والا زوردار شخص ہو، زنیم سے مراد بدنام ہے جو برائی میں مشہور ہو، لغت عرب میں زنیم اسے کہتے ہیں جو کسی قوم میں سمجھا جاتا ہو لیکن دراصل اس کا نہ ہو، عرب شاعروں نے اسے اسی معنی میں لیا ہے یعنی جس کا نسب صحیح نہ ہو، کہا گیا ہے کہ مراد اس سے اخنس بن شریق ثقفی ہے جو بنو زہرہ کا حلیف تھا، اور بعض کہتے ہیں یہ اسود بن عبد یغوث زہری ہے عکرمہ فرماتے ہیں ولد الزنا مراد ہے، یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جس طرح ایک بکری جو تمام بکریوں میں سے الگ تھلگ اچا چرا ہوا کان اپنی گردن پر لٹکائے ہوئے ہو تو وہ ایک نگاہ میں پہچان لی جاتی ہے اسی طرح کافر مومنوں میں پہچان لیا جاتا ہے، اسی طرح کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن خلاصہ سب کا صرف اسی قدر ہے کہ زنیم وہ شخص ہے جو برائی سے مشہور ہو اور عموماً ایسے لوگ بد ادھر ادھر سے ملے ہوئے ہوتے ہیں جن کے صحیح نسب کا اور حقیقی باپ کا پتہ نہیں ہوتا ایسوں پر شیطان کا غلبہ بہت زیادہ رہا کرتا ہے جیسے حدیث میں ہے کہ زنا کی اولاد جنت میں نہیں جائے گی[1]۔ اور روایت میں ہے کہ زنا کی اولاد تین برے لوگوں کی برائی کا مجموعہ ہے اگر وہ بھی اپنے ماں باپ کے سے کام کرے پھر فرمایا اس کی ان شرارتوں کی وجہ یہ ہے کہ یہ مالدار اور بیٹوں کا باپ بن گیا ہے ہماری اس نعمت کا کفر کرنے لگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور توہین کر کے کہتا پھرتا ہے کہ یہ تو پرانے افسانے ہیں اور جگہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا الخ مجھے چھوڑ دے اور اسے جسے میں نے اکیلا تنہا پیدا کیا ہے اور بہت سا مال دیا ہے اور حاضر باش لڑکے دیئے ہیں اور بھی بہت کشائش دے رکھی ہے پھر بھی اس کی طمع ہے کہ میں اسے اور دوں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا یہ تو میری آیتوں کا مخالف ہے میں اسے عنقریب بدترین مصیبت میں ڈالوں گا اس نے غور و فکر کر کے اندازہ لگایا یہ تباہ ہو کتنی بری تجویز اس نے سوچی، میں پھر کہتا ہوں یہ برباد ہو اس نے کیسی بری تجویز کی، اس نے پھر نظر ڈالی اور ترش رو ہو کر منہ بنا لیا پھر منہ پھیر کر اینٹھنے لگا اور کہہ دیا کہ یہ کلام اللہ تو پرانا نقل کیا ہوا جادو ہے صاف ظاہر ہے کہ یہ انسانی کلام ہے اس کی اس بات پر میں بھی اسے سقر میں ڈالوں گا۔ تجھے کیا معلوم کہ سقر کیا ہے؟ نہ وہ کسی کو باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے، بدن سے لپٹ جاتی ہے اس پر انیس فرشتے متعین ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ اس کی ناک پر ہم داغ[2] لگائیں گے یعنی اسے ہم اس قدر رسوا کریں گے کہ اس کی برائی کسی پر پوشیدہ نہ رہے گی ہر ایک اسے جان پہچان لے گا جیسے نشان دار ناک والے

ف ۱ یعنی ایسے لوگ عموماً جنت میں جائیں گے جیسے ہم اپنے ماحول سے دیکھتے ہیں، کیونکہ یہ ایسے گرے ہوئے ہیں جن کو دنیا کی زندگی میں نہ کوئی وقار حاصل تھا اور نہ آرام و راحت۔ ف ۲ کیونکہ وہ مقبول بارگاہ الٰہی ہیں یعنی جس کا سارا فکر ہی اکل و شرب ہے لا ف ۳ کیونکہ مشہور مقولہ ہے کہ "تخم تاثیر اور صحبت کا اثر" اور ظاہر ہے کہ جب کسی باپ نے زنا جیسے شدید جرم کا ارتکاب کیا تو اس کی اولاد کیسی ہوگی ف ۴ کیونکہ کبر و غرور ہی کی وجہ سے اس نے ہماری آیات کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ ف ۵ ناک کا لفظ تکبر اور غرور کے لئے استعمال ہوتا ہے ف ۱ اس حدیث کو بعض لوگ موضوع بتاتے ہیں ۱۲

کو ایک نگاہ میں ہزاروں آدمیوں میں بھی لوگ پہچان لیتے ہیں اور جو داغ چھپایا جائیگا تو چھپ نہ سکے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بدر والے دن اس کی ناک پر تلوار لگے گی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیامت والے دن جہنم کی مہر لگے گی یعنی منہ کالا کر دیا جائیگا۔ تو ناک سے مراد پورا چہرہ ہوا، امام ابوجعفر ابن جریرؒ نے ان تمام اقوال کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ ان سب میں تطبیق اس طرح ہو جاتی ہے کہ یہ تمام امور اس میں جمع ہو جائیں گے یہ بھی ہو گا اور وہ بھی ہو گا دنیا میں بھی رسوا ہو گا سچ مچ ناک پر نشان لگے گا آخرت میں بھی نشان دار مجرم بنے گا، فی الواقع یہ بہت ہی درست، ابن ابی حاتم میں فرمان رسولؐ ہے کہ بندہ ہزارہا بلکہ ہزار ہا برس تک خدا کے ہاں مومن لکھا رہتا ہے لیکن مرتا اس حالت میں ہے کہ خدا اس پر ناراض ہوتا ہے اور بندہ خدا کے ہاں کافر ہزار ہا سال تک لکھا رہتا ہے پھر مرتے وقت خدا تعالیٰ اس سے خوش ہو جاتا ہے۔ جو شخص عیب گوئی اور چغل خوری کی عادت میں مرے گا اور جو لوگوں کو بدنام کرنے والا ہو گا تو قیامت کے دن اس کی ناک پر دونوں جانب سے نشان لگا دیا جائیگا جو اس مجرم کی علامت بن جائے گا۔

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾

[illegible]

فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا

[illegible]

مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾ فَانطَلَقُوا وَهُمْ

[illegible] اگر تم کو پھل توڑنا ہے پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے

يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾

باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ آنے پائے اور [illegible] پر قادر سمجھ کر چلے

فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ

[illegible]

لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ﴿٣٠﴾

[illegible]

قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ﴿٣١﴾ عَسَىٰ رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَ ﴿٣٢﴾

[illegible]

كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾

[illegible]

ایک عبرت انگیز داستان

یہاں ان کافروں کی جو حضورؐ کی نبوت کو جھٹلا رہے تھے مثال بیان ہو رہی ہے کہ جس طرح یہ باغ والے تھے اور خدا کی نعمت کی ناشکری کی وجہ سے عذاب میں اپنے آپ کو ڈال دیا، یہی حالت ان کافروں کی ہے کہ خدا تعالیٰ کی بھی نعمت کی پیغمبر کی ناشکری [illegible] اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق کر دیا جیسے فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بھی آزمایا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جس باغ میں طرح طرح کے پھل ہو رہے تھے [illegible] ایس میں قسمیں کھائیں کہ صبح ہونے سے پہلے ہی پھل اتار لیں گے

[illegible] تو یقیناً خدا تعالیٰ اس سے بیحد خوش ہوں گے

تاکہ فقیروں مسکینوں اور سائلوں کو پتہ نہ چلے چپ چاپ آ کر سب چن لیں اور ہمیں ان کو بھی دینا پڑے بلکہ تمام پھل اور میوے خود ہی لے آئیں گے اپنی اس تدبیر کی کامیابی پر انہیں بڑا اعتماد تھا اور خوشی میں پھولے نہ سماتے تھے یہاں تک کہ خدا کو بھی بھول گئے انشاء اللہ تک کسی کی زبان سے نہ نکلا اس لئے ان کی یہ قسم پوری نہ ہوئی، رات ہی رات میں ان کے پہنچنے سے پہلے آسمانی آفت نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا، ایسا ہو گیا جیسے سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگو! گناہوں سے بچو، گناہوں کی شامت کی وجہ سے انسان اس روزی سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کر دی گئی ہے، پھر حضورؐ نے ان دونوں آیتوں کی تلاوت کی کہ یہ لوگ گناہ کی وجہ سے اپنے باغ کے پھل اور اس کی پیداوار سے محروم ہو گئے۔ (ابن ابی حاتم) صبح کے وقت یہ آپس میں ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ اگر پھل اتارنے کا ارادہ ہے تو اب دیر نہ لگاؤ سویرے ہی چل پڑو، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ باغ انگور کا تھا، اب یہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے تاکہ کوئی سن نہ لے اور غریب فقیر کو پتہ نہ لگ جائے، چونکہ ان کی سرگوشیاں اس خدا تعالیٰ سے تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں جو دل کے بھیدوں سے بھی پوری طرح واقف رہتا ہے وہ بیان فرماتا ہے کہ ان کی وہ خفیہ باتیں یہ تھیں کہ دیکھو ہوشیار رہو کوئی مسکین بھنک پا کر کہیں آ نہ جائے پھر کسی فقیر کو باغ میں گھسنے ہی نہ دینا، پھر قوت و شدت کے ساتھ پختہ ارادے اور فریب کاری پر غصے کے ساتھ اپنے باغ کو چلے، سدیؒ فرماتے ہیں کہ حرد ان کی بستی کا نام تھا لیکن یہ کچھ زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، یہ جانتے تھے کہ اب ہم پھلوں پر قابض ہیں ابھی اتار کر سب لے آئیں گے لیکن جب وہاں پہنچے تو حیران و پریشان رہ گئے دیکھتے ہیں کہ لہلہاتا چہچہاتا ہرا بھرا باغ میووں سے لدے ہوئے درخت اور پکے ہوئے پھل سب غارت اور برباد ہو چکے ہیں، سارے باغ میں آندھی پھر گئی ہے اور تمام باغ میووں سمیت جل کر کوئلہ ہو گیا ہے کوئی پھل نہیں رہا ساری تر و تازگی بیوست سے بدل گئی ہے، باغ سارا کا سارا جل کر راکھ ہو گیا ہے درختوں کے کالے کالے ڈراونے ٹھنڈ کھڑے ہوئے ہیں، تو پہلے تو سمجھے کہ ہم راستہ بھول گئے کسی اور باغ میں چلے آئے اور یہ مطلب بھی سمجھے ہے کہ ہمارا طریقہ کار غلط تھا جس کا نتیجہ یہ ہے، پھر بغور دیکھنے سے جب یہ یقین ہو گیا کہ باغ تو یہی ہمارا ہے تب وہ سمجھ گئے اور کہنے لگے ہے تو یہی لیکن ہم بد قسمت ہیں ہمارے نصیب میں ہی اس کا پھل اور فائدہ نہیں، ان سب میں جو عدل و انصاف والا اور بھلائی بہتری والا تھا وہ بول پڑا کہ دیکھو میں تو پہلے ہی تم سے کہتا تھا کہ تم انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے؟ سدیؒ فرماتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں سبحان اللہ کہنا بھی انشاء اللہ کہنے کے قائم مقام تھا، امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے معنے ہی انشاء اللہ کہنے کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے بہترین شخص نے ان سے کہا کہ دیکھو میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم کیوں خدا کی پاکیزگی اور اس کی حمد و ثنا نہیں کرتے؟ یہ سن کر اب وہ کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے، بیشک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اب اطاعت بجا لائے جب کہ عذاب پہنچ چکا اب اپنی تقصیر کو مانا جب سزا دیدی گئی، اب تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے بہت ہی برا کیا کہ مسکینوں کا حق مارنا چاہا اور خدا کی فرمانبرداری سے رک گئے، پھر سبھوں نے کہا کہ کوئی شک نہیں ہماری سرکشی حد سے بڑھ گئی اسی وجہ سے یہ عذاب آیا، پھر کہتے ہیں شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے۔ یعنی دنیا میں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آخرت کے خیال سے انہوں نے یہ کہا ہو، واللہ اعلم، بعض سلف کا قول ہے کہ یہ واقعہ اہل یمن کا ہے حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ضروان کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اہل حبشہ سے تھے مذہباً اہل کتاب تھے یہ باغ انہیں ان کے باپ کے ورثے میں ملا تھا اس کا یہ دستور تھا کہ باغ کی پیداوار میں سے باغ کا خرچ نکال کر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے سال بھر کا خرچ رکھ کر باقی نفع خدا کے نام صدقہ کر دیتا تھا اس کے انتقال کے بعد ان بچوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ ہمارا باپ تو بیوقوف تھا جو اتنی بڑی رقم ہر سال ادھر ادھر دے دیتا تھا ہم ان فقیروں کو اگر نہ دیں اور اپنا مال باقاعدہ سنبھالیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں، یہ ارادہ انہوں نے پختہ کر لیا تو ان پر وہ عذاب آیا جس نے اصل مال بھی تباہ کر دیا اور بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔ پھر فرماتا ہے کہ جو شخص بھی خدا تعالیٰ کے حکموں کا خلاف کرے اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں بخل کرے اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرے اس پر اسی طرح کے عذاب نازل ہوتے ہیں اور یہ تو دنیوی عذاب ہیں آخرت کے عذاب تو ابھی باقی ہیں جو سخت

اور بدتر ہیں۔ بیہقی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت کھیتی کاٹنے اور باغ کے پھل اتارنے سے منع فرمایا۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّٰتِ النَّعِيمِ ① أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَا

بے شک پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں۔ کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کر دیں گے؟

لْمُجْرِمِينَ ② مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ③ أَمْ لَكُمْ كِتَٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ④ إِنَّ لَكُمْ

تم کو کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیز لکھی ہے جو تم

فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ⑤ أَمْ لَكُمْ أَيْمَٰنٌ عَلَيْنَا بَٰلِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَٰمَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ⑥

پسند کرتے ہو۔ کیا تم نے ہم سے کچھ قسمیں لے رکھی ہیں جو تمہاری خاطر قیامت تک باقی رہیں کہ جو کچھ تم حکم کرو گے وہی تمہارے لئے ہوگا۔

سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ⑦ أَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَآئِهِمْ إِن كَانُوا صَٰدِقِينَ ⑧ ع ۱۵

ان سے پوچھو کہ ان میں سے اس کا کون ذمہ دار ہے کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک خدائی میں ہیں سو ان کو چاہئے کہ اپنے شریکوں کو پیش کریں اگر یہ سچے ہیں۔

تقویٰ کی برکات

اوپر چونکہ دنیوی جنت والوں کا حال بیان ہوا تھا اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے حکم کے خلاف کرنے سے ان پر جو بلا اور آفت آئی اس کا ذکر تھا اب یہاں متقی اور پرہیزگار لوگوں کا حال ذکر کیا گیا جنہیں آخرت میں جنتیں ملیں گی جن کی نعمتیں نہ فنا ہوں گی نہ گھٹیں گی نہ ختم ہوں گی نہ سڑیں گی نہ گلیں گی۔ پھر فرماتا ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ مسلمان اور گنہگار جزا میں یکساں ہو جائیں؟ قسم ہے زمین و آسمان کے رب کی کہ یہ نہیں ہو سکتا، کیا ہو گیا ہے تم کس طرح یہ چاہتے ہو؟ کیا تمہارے ہاتھوں میں خدا کی طرف سے اتری ہوئی کوئی ایسی کتاب ہے جو خود تمہیں بھی محفوظ ہو اور اگلوں کے ہاتھوں تم پچھلوں تک پہنچی ہو اور اس میں وہی ہو جو تمہاری تمنا ہے اور جو تم کہہ رہے ہو؟ یا ہمارا کوئی مضبوط وعدہ اور عہد تم سے ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہی ہوگا۔ اور تمہاری یہ بے جا اور غلط خواہشیں پوری ہو کر ہی رہیں گی؟ ان سے ذرا پوچھو تو کہ اس بات کا کون ضامن ہے اور کس کے ذمے یہ کفالت ہے؟ نہ سہی تمہارے جو جھوٹے معبود ہیں انہیں کو اپنی سچائی کے ثبوت میں پیش کرو۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ⑨ خَٰشِعَةً

(وہ) دن یاد کرنے کے قابل ہے جس دن کہ ساق کی تجلی فرمائی جائے گی اور سجدہ کی طرف بلایا جائے گا۔ سو یہ کافر لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے ان کی آنکھیں

أَبْصَٰرُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَٰلِمُونَ ⑩

مارے شرمندگی کے جھکی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوگی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے اور وہ صحیح سالم تھے۔ مجھ کو اس

فَذَرْنِي وَمَن يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ⑪

(پس) تو مجھ کو اور جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں ان کو رہنے دو ہم ان کو بتدریج جہنم کی طرف لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں [illegible]

وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ⑫ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ

[illegible] کیا آپ ان لوگوں سے معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان سے دبے جاتے ہیں [illegible] آپ کی اطاعت

مُّثْقَلُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝٤٧

(لغت ۴۷) یا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ اسکو لکھ لیا کرتے ہیں۔

کشف ساق

اوپر بیان ہوا تھا کہ پرہیزگاروں کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں اسلئے یہاں بیان ہو رہا ہے کہ یہ نعمتیں انھیں کب ملیں گی؟ تو فرمایا کہ اس دن جس دن پنڈلی کھول دی جائیگی الخ یعنے قیامت کے دن جو دن بڑا ہولناکیوں والا زلزلوں والا امتحان والا اور آزمائش والا اور بڑے بڑے اہم امور کے ظاہر ہونے کا دن ہوگا صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ ہمارا رب اپنی پنڈلی کھول دیگا پس ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت سجدے میں گر پڑے گی، ہاں دنیا میں جو لوگ دکھانے سنانے کے لئے سجدے کرتے تھے وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی کمر تختہ کی طرح ہو جائے گی، یعنے سجدہ نہ کرسکیں گے یہ حدیث بخاری ومسلم دونوں میں ہے اور دوسری کتابوں میں بھی ہے اور کئی سندوں سے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے یہ حدیث مطول ہے اور مشہور ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کشف ساق یعنی پنڈلی کے کھل جانے سے یہ مراد ہے کہ یہ دن تکلیف دکھ درد اور شدت کا دن ہوگا جسکو یہاں محاورہ میں بیان کیا گیا ہے (ابن جریر) اور ابن جریرؒ اسے دوسری سند سے شک کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ یا ابن عباسؓ سے یَكْشِفُ عَنْ سَاقٍ کی تفسیر میں بہت بڑا عظیم الشان امر منقول ہے جیسے شاعر کا قول ہے شَالَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ یہاں بھی لڑائی کی عظمت اور بڑائی بیان کی گئی ہے مجاہدؒ سے بھی یہی منقول ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کی گھڑی بہت سخت ہوگی، آپ فرماتے ہیں کہ یہ امر بہت سخت بڑی گھبراہٹ والا اور ہولناک ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس وقت امر کھول دیا جائیگا اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور یہ کشف آخرت کا آجانا ہے یہ سب روایتیں ابن جریر میں ہیں۔ اس کے بعد یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں فرمایا مراد بہت بڑا نور ہے لوگ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے یہ حدیث ابو یعلیٰ میں بھی ہے اور اس کی اسناد میں ایک مبہم راوی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا آج کے دن ان لوگوں کی آنکھیں اوپر کو نہ اٹھیں گی اور ذلیل و پست ہو جائیں گے کیونکہ دنیا میں بڑے سرکش اور کبر و غرور والے تھے، صحت و سلامتی کی حالت یعنی دنیا میں جب انھیں سجدے کے لئے بلایا جاتا تھا تو رک جاتے تھے۔ جس کی سزا یہ ملی کہ آج سجدہ کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے، پہلے کر سکتے تھے لیکن نہیں کرتے تھے، خدائے تعالیٰ کی تجلی دیکھکر مومن سب سجدے میں گر پڑیں گے لیکن کافر و منافق سجدہ نہ کرسکیں گے، کمر تختہ ہو جائیگی جھکے گی ہی نہیں بلکہ پیٹھ کے بل چت گر پڑیں گے یہاں بھی ان کی حالت مومنوں کے خلاف تھی، وہاں بھی خلاف ہی رہیگی پھر فرمایا مجھے اور میری اس حدیث یعنی قرآن کے جھٹلانے والوں کو تو چھوڑ دے، اس میں بڑی وعید ہے اور سخت ڈانٹ ہے کہ تو ٹھیر جا میں آپ ان سے نمٹ لوں گا دیکھ تو سہی کہ کس طرح بتدریج انھیں پکڑتا ہوں یہ اپنی سرکشی اور غرور میں بڑھتے جائیں گے میری ڈھیل کے راز کو نہ سمجھیں گے اور پھر ایکدم پاپ کا گھڑا پھوٹے گا اور میں اچانک انھیں پکڑ لوں گا، میں انھیں بڑھاتا رہوں گا یہ بدمست ہوتے چلے جائیں گے وہ اسے کرامت سمجھیں گے حالانکہ ہوگی وہ اہانت، جیسے اور جگہ ہے اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ الخ یعنے

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، خدا تعالیٰ کے لئے لفظ وجہ (چہرہ) ید (ہاتھ) اور احادیث میں رجل (پیر) استعمال ہوا ہے ایسے ہی یہ لفظ یہاں استعمال ہوا ہے ان لفظوں کے معنی تو ہم سب سمجھتے ہیں لیکن خود پنڈلی سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے محققین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور ان کے شایان شان ہوگی ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے اور نہ جاننے کی ضرورت گویا کہ وہ اسکو متشابہات میں سے کہتے ہیں لیکن بعض کہتے ہیں کہ محاورہ عرب ہے "کشف ساق" کا مطلب کسی دشوار گزار معاملہ کو پیش آجانا ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے کہ "عن ساقہ ای عن شدتہ" چنانچہ مدارک نے بھی اسی معنی کو پیش نظر رکھا ہے کہ "یوم یشتد الامر ویصعب ولا کشف ثم ولا ساق" بعض اہم تابعی مفسر شخصیتیں بھی اسی کی قائل ہیں چنانچہ مدارک التنزیل میں ہے کہ "الی ھذا ذھب مجاھد، ابراھیم النخعی، عکرمہ، وجماعۃ، وقد روی ایضا عن ابن عباس۔"

کیا ان کا گمان ہے کہ مال و اولاد کا فراخ ہونا ان کے لئے ہماری جانب سے کسی بھلائی کی بنا پر ہے؟ نہیں بلکہ یہ بے شعور ہیں اور جگہ فرمایا فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ الخ جب یہ پند و نصیحت کو بھلا چکے تو ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ اُنھیں جو دیا گیا اس پر اترانے لگے تو ہم نے انھیں ناگہانی پکڑ لیا اور ان کی اُمیدیں منقطع ہو گئیں، یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ میں انھیں ڈھیل دوں گا، بڑھاؤں گا اور اونچا کروں گا یہ میری تدبیر ہے اور میری تدبیر میرے مخالفوں اور میرے نافرمانوں کے ساتھ بہت بڑی ہے بخاری مسلم میں ہے کہ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ۝ یعنی اسی طرح ہے تیرے رب کی پکڑ بڑی دردناک اور بہت سخت ہے۔ پھر فرمایا تو کچھ ان سے اجرت اور بدلہ تو مانگتا ہی نہیں جو ان پر بھاری پڑتا ہو اور جس کے تاوان سے یہ جھکے جاتے ہوں، نہ ان کے پاس کوئی علم غیب ہے جسے یہ لکھ رہے ہوں۔ ان دونوں جملوں کی تفسیر سورۂ والطور میں گذر چکی ہے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! آپ انھیں اللہ عزوجل کی طرف بغیر اجرت اور بغیر مالی طلب کے اور بغیر بدلے کی خواہش کے بلا رہے ہیں، آپ کی غرض سوائے ثواب حاصل کرنے کے اور کوئی نہیں، تو اس پر بھی یہ لوگ صرف اپنی جہالت اور سرکشی کی وجہ سے آپ کو جھٹلا رہے ہیں؛

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَا

تو آپ اپنے رب کی رائے (حکم) پر صبر سے بیٹھے رہیے اور (تنگدل ہو کر) مچھلی کے پیٹ میں جانے والے پیغمبر یونس کی طرح نہ ہو جئے جبکہ یونس نے دعا کی اور وہ غم سے گھٹ رہے تھے اگر خدا کی

أَن تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ

احسان ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ چٹیل میدان (میں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر) ڈالے گئے تھے اسی بد حالی کے ساتھ ڈالے جاتے (دستگیری سے مراد قبول توبہ ہے) پھر ان کے رب نے ان کو

مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۵۰﴾ وَإِن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا

(اور زیادہ) برگزیدہ کر لیا اور ان کو صالحین میں کر دیا اور یہ کافر جب قرآن سنتے ہیں تو (شدت عداوت سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے اور (شدت عداوت سے)

الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۵۲﴾

اور اسی عداوت سے آپ کی نسبت) کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہے　حالانکہ یہ قرآن (جس کے ساتھ آپ تکلم فرماتے ہیں) تمام جہان کے واسطے نصیحت ہے۔

تلقین صبر	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! اپنی قوم کی ایذا پر اور ان کے جھٹلانے پر صبر و تحمل کرو عنقریب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہونے والا ہے آخر کار آپ کا اور آپ کے متبعین کا ہی غلبہ ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی! دیکھو تم مچھلی والے نبی کی طرح نہ ہونا،

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دیکھا کہ قوم پر وقت موعود آ جانے کے باوجود عذاب نہیں آیا تو وہ اپنی ذلت کے خیال سے ملول ہو کر بلا اجازت حق سبحانہٗ تعالیٰ چل دیئے تھے اس وقت آپ چند غموں میں مبتلا تھے ایک غم قوم کے ایمان نہ لانے کا، دوسرا غم اس کا کہ یونس عذاب کی اطلاع دے چکے تھے اور پھر عذاب نہ آیا، تیسرا غم یہ کہ بلا اجازت چلے گئے تو اب اس پر مواخذہ اور عتاب کا فکر، اور چوتھا رنج مچھلی کے پیٹ میں قید ہونے کا۔ مفسر ابن کثیر نے اس آیت کے تحت میں جو فوائد درج کئے ہیں عام مفسرین ان کو ذکر نہیں کرتے۔ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو لکھا ہے کہ "لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ" اصل میں ایک محاورہ ہے جس کو اردو میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ "تم تو مجھ کو اس طرح دیکھو گے جیسے کھا ہی جاؤ گے" قاضی کے الفاظ یہ ہیں یَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرًا شَدِيدًا ... وَيَنْظُرُ إِلَيَّ نَظَرًا يَكَادُ يَصْرَعُنِي ... عَدَاوَةً [illegible] ... اور جس کو نظر لگنے کا مسئلہ سو وہ فی الواقع حدیث سے ثابت ہے اور اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اسی طرح حدیث ۲۱ پر آپ دیکھیں گے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ الفاظ صریح بیماریوں کے متعدی ہونے سے انکار فرمایا ہے اور آج کل ڈاکٹر کا یہ ... بیماریوں کے متعدی ہونے کا پر زور مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ مشہور ہے ... [illegible] ... اس سلسلہ میں کچھ اصولی باتیں بھی ذہن میں آپ رکھ لیجئے تو پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات باقی ہیں

اس سے مراد یونس بن متی علیہ السلام ہیں جبکہ وہ اپنی قوم پر غضبناک ہو کر نکل کھڑے ہوئے پھر جو ہوا سو ہوا، یعنی آپ کا جہاز میں سوار ہونا مچھلی کا آپ کو نگل جانا اور سمندر کی تہ میں بیٹھ جانا، اور اس تہ بہ تہ اندھیریوں میں اس قدر نیچے آپ کا سمندر کو خدا ئے تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے سننا اور خود آپ کا بھی پکارنا اور لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ پھر آپ کی دعا کا قبول ہونا اور اس سے نجات پانا وغیرہ جس واقعہ کا مفصل بیان پہلے گزر چکا ہے. جس کے بیان کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اسی طرح ایمانداروں کو نجات دیا کرتے ہیں اور فرماتا ہے کہ اگر وہ تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں بیٹھے رہتے. یہاں بھی فرمان ہے کہ جب اس نے غم اور دکھ کی حالت میں ہمیں پکارا وہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی زبان سے نکلتے ہی یہ کلمہ عرش پر پہنچا فرشتوں نے کہا خدایا اس کمزور غیر معروف شہری آواز تو ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پہلے کی سنی ہوئی ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کیا تم اسے پہچانتے نہیں؟ فرشتوں نے عرض کیا نہیں، جناب باری نے فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے. فرشتوں نے کہا پروردگار پھر تو تیرا وہ بندہ ہے جس کے اعمال صالحہ ہر روز آسمانوں پر چڑھتے رہتے ہیں جس کی دعائیں ہر وقت قبولیت کا درجہ پاتی رہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سچ ہے، فرشتوں نے کہا پھر اے ارحم الراحمین ان کی راحتوں کے وقت کے نیک اعمال کی بنا پر انہیں اس سختی سے نجات عطا فرما، چنانچہ ارشاد باری ہوا کہ اے مچھلی تو انہیں اگل دے، اور مچھلی نے انہیں کنارے پر آکر اگل دیا، یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ خدا نے انہیں پھر برگزیدہ بنا لیا اور نیک کاروں میں کر دیا. مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی کے لئے زیبا نہیں کہ وہ اپنے آپ کو حضرت یونس بن متی سے افضل بتلائے. صحیحین میں بھی یہ حدیث ہے، اگلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ تیرے بغض و حسد کی وجہ سے یہ کفار تو اپنی نگاہوں سے گھور گھور کر تجھے پھسلا دینا چاہتے ہیں اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے حمایت اور تحفظ نہ ہوتا تو یقیناً یہ تو ایسا کر گزرتے، اس آیت میں دلیل ہے اس امر پر کہ نظر کا لگنا اور اس کی تاثیر کا خدا تعالیٰ کے حکم سے ہونا حق ہے جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں بھی ہے، جو کئی کئی سندوں سے مروی ہیں ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جھاڑ پھونک صرف نظر کا اور زہریلے جانوروں کا اور رکے ہوئے خون کا ہے. بعض سندوں میں نظر کا لفظ نہیں. یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے اور صحیح مسلم شریف میں اور ترمذی میں بھی ہے ایک غریب حدیث ابو یعلیٰ میں ہے کہ نظر بحکم خدا انسان کو گرا دیتی ہے مسند احمد میں ہے کہ اُلو اور نظر میں کچھ حق نہیں سب سے سچا شگون فال ہے، یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے غریب کہتے ہیں اور روایت میں ہے کہ کوئی شے نحوست نہیں اور اُلو اور نظر میں نہیں اور نیک فال سب سے زیادہ سچا فال ہے، ایک اور روایت میں ہے کہ نظر حق ہے نظر حق ہے وہ بلندی والے کو بھی اتار دیتی ہے مسند احمد میں ہے نظر حق ہے اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر کر جاتی جب تم سے غسل کرایا جائے تو غسل کر لیا کرو. عبدالرزاق میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت [illegible]

(باقی حاشیہ) اور موجودہ سائنس کے مطالعات میں آج تعدیہ نظر نہیں آتی [illegible] کو اختیار کر لے پر زور دیتا ہے لیکن ساتھ ہی [illegible] ... کوئی تاثیر نہیں رکھتے بلکہ موثر در اصل خدا تعالیٰ ہی ہے دین اسلام چاہتا ہے کہ معاشرہ [illegible] ... نے جاہلیت کے ایک عظیم مسلمان کی ... حرف خدا تعالیٰ سے ڈرو، بیماریوں کا خوف، اور ان کا خوف اسلامی تعلیمات کے منافی ہے ایسے خیالات پر غور کرنے کے بعد آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ ... اسباب پر تو مترادف کی ... اسلام آیا تھا اگر بیماریوں کو متعدی مان لیا جائے تو پھر بعض ... متعدی کیوں نہیں ہوتیں ... اس سے بچاؤ کا کوئی انتظام بھی نہیں ہوتا ... حکم اصل ہے ... لیا جائے تو کوئی بیمار کے پاس بھی نہ ... انسانی ہمدردی جو اسلام کا مطالبہ ہے ختم ہو کر رہ جائے ... ایسے اسباب اختیار کرنے کا حکم بھی دیا تھا اسی اصول کے تحت کہ اسباب کچھ نہیں اصل خدا تعالیٰ کا حکم ہے ... ہم سب ان کا ... اور بحمد اللہ کبھی کوئی وسوسہ ... حالت کا ... اختلاف کی ... ۔ ع ۵ برگزیدہ تو وہ پہلے ہی سے تھے انہیں مصائب ... سے مزید درجات بلند ہو گئے

حسین رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ کے ساتھ پناہ میں دیتے اُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ۔
یعنی تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے بھرپور کلمات کی پناہ میں سونپتا ہوں ہر شیطان سے اور ہر ایک زہریلے جانور سے اور ہر ایک لگ جانے والی
نظر سے، اور فرماتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو انہی الفاظ سے خدا کی پناہ میں
دیا کرتے تھے۔ یہ حدیث سنن میں اور بخاری شریف میں بھی ہے ابن ماجہ میں ہے کہ سہل بن حنیف غسل کر رہے تھے عامر بن ربیعہ کہنے
لگے کہ میں نے تو آج تک ایسی پنڈلی کسی پردہ نشین کی بھی نہیں دیکھی۔ یہ کہنا تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے لوگوں نے حضور سے کہا یا رسول
اللہ ان کی خبر لیجئے یہ تو بے ہوش ہو گئے آپ نے فرمایا کسی پر تمہارا شک بھی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں عامر بن ربیعہ پر، آپ نے
فرمایا تم میں سے کیوں کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز کو دیکھے کہ اسے بہت
اچھی لگے تو اسے چاہیے کہ اس کے لئے برکت کی دعا کرے، پھر پانی منگوا کر عامر سے فرمایا کہ تم وضو کرو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ
اور گھٹنے اور تہمد کے اندر کا حصہ جسم دھو ڈالو، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا برتن کو اس کی پیٹھ کے پیچھے سے اوندھا
دو۔ نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت موجود ہے حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی اور انسانوں کی نظر بد سے
پناہ مانگا کرتے تھے۔ جب سورۂ معوذتین نازل ہوئیں تو آپ نے انہیں لے لیا اور سب کو چھوڑ دیا۔ (ابن ماجہ ترمذی نسائی) مسند
وغیرہ میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور کے پاس آئے اور کہا اے محمد! کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں تو حضرت جبرئیل نے
کہا بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ وَّعَیْنٍ وَّاللّٰہُ یَشْفِیْکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ۔ بعض روایات
میں کچھ الفاظ کا تغیر بھی ہے، بخاری مسلم کی حدیث میں ہے کہ یقیناً نظر کا لگ جانا برحق ہے، مسند کی ایک حدیث میں اس کے بعد یوں بھی ہے
کہ اس کا سبب شیطان ہے اور ابن آدم کا حسد ہے، مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے حضور
سے یہ سنا ہے کہ شگون تین چیزوں میں ہے گھر، گھوڑا، عورت، تو حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا پھر تو میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر
وہ بولوں گا جو آپ نے نہیں فرمایا، ہاں میں نے حضور سے یہ تو سنا ہے کہ آپ نے فرمایا سب سے سچا شگون نیک فال ہے اور نظر کا
لگنا حق ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضرت جعفر کے بچوں کو نظر لگ جایا کرتی ہے
تو کیا میں کچھ دم کرا لیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر جانے والی ہوتی تو وہ نظر ہوتی۔ حضرت عائشہ کو بھی
حضور کا نظر بد سے دم کرنے کا حکم مروی ہے (ابن ماجہ) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے کو حکم کیا جاتا تھا کہ وہ وضو کرے
اور جسکو نظر لگی ہے اسے اس پانی سے غسل کرایا جاتا تھا (ابوداؤد) اور حدیث میں ہے، نہیں ہے الو اور نظر حق ہے اور سب سے سچا شگون
فال ہے۔ مسند احمد میں بھی حضرت سہل اور حضرت عامر والا قصہ جو اوپر بیان ہوا قدرے بسط کے ساتھ مروی ہے بعض روایات میں
یہ بھی ہے کہ یہ دونوں بزرگ غسل کے ارادے سے چلے اور حضرت عامر پانی میں غسل کے لئے اترے اور ان کا بدن دیکھ کر حضرت سہل
کی نظر لگ گئی اور وہ وہیں پانی میں خرخراہٹ کرنے لگے میں نے تین مرتبہ آوازیں دیں لیکن جواب نہ ملا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوا، واقعہ سنایا آپ خود تشریف لائے اور تہمد سے پانی میں کھینچ کھینچ کر چلتے ہوئے جہاں وہ تھا وہاں
تک پہنچے اور ان کے سینے میں ہاتھ مارا اور دعا کی اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنْهُ حَرَّھَا وَبَرْدَھَا وَوَصَبَھَا۔ اے اللہ تو اس سے اس کی گرمی اور
سردی اور تکلیف دور کر دے اور مسند بزار میں ہے کہ میری امت کی قضاء و قدر کے بعد اکثر موت نظر سے ہوگی، فرماتے ہیں نظر حق ہے
انسان کو قبر تک پہنچا دیتی ہے اور اونٹ کو ہانڈی تک، میری امت کی اکثر ہلاکت اسی میں ہے۔ ایک اور ضعیف سند سے بھی یہ روایت مروی ہے
فرمایا چھوت سرایت ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی اور الو کی وجہ سے بربادی کا یقین کر لینا کوئی واقعیت نہیں رکھتا اور حسد کوئی
چیز نہیں، ہاں نظر حق ہے ابن عساکر میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام حضور کے پاس تشریف لائے آپ اس وقت غمزدہ تھے، سبب
پوچھا تو فرمایا حسن اور حسین کو نظر لگ گئی ہے۔ فرمایا یہ سچائی کے قابل چیز ہے نظر واقعی لگتی ہے آپ نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں پناہ میں

کیوں نہ دیا؟ حضورؐ نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ فرمایا یوں کہو اَللّٰھُمَّ ذَا السُّلْطَانِ الْعَظِیْمِ ذَا الْمَنِّ الْقَدِیْمِ ذَا الْوَجْهِ الْکَرِیْمِ وَلِیَّ الْکَلِمَاتِ التَّامَّاتِ وَالدَّعْوَاتِ الْمُسْتَجَابَاتِ عَافِ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ مِنْ اَنْفُسِ الْجِنِّ وَاَعْیُنِ الْاِنْسِ۔ یعنی اے اللہ! اے بہت بڑی بادشاہی والے، اے زبردست قدیم احسانوں والے، اے بزرگتر چہرے والے، اے پورے کلموں والے اور اے دعاؤں کو قبولیت کا درجہ دینے والے تو حسنؓ اور حسینؓ کو تمام جنات کی ہواؤں سے اور تمام انسانوں کی آنکھوں سے اپنی پناہ دے، حضورؐ نے یہ دعا پڑھی وہیں دونوں بچے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپؐ کے سامنے کھیلنے کودنے لگے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا لوگو اپنی جانوں کو اپنی بیویوں کو اور اپنی اولاد کو اسی پناہ کے ساتھ پناہ دیا کرو، اس جیسی اور کوئی پناہ کی دعا نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جہاں یہ کافر اپنی حقارت بھری نظریں آپؐ پر ڈالتے ہیں وہاں اپنی طعنہ آمیز زبان بھی آپؐ پر کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو قرآن لانے میں مجنون ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ قرآن تو خدا کی طرف سے تمام عالم کے لئے نصیحت نامہ ہے۔ الحمد للہ سورۃ القلم کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ حآقّہ مکیّہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں

اَلْحَآقَّةُ ۝۱ مَا الْحَآقَّةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

وہ ہونیوالی چیز کیسی کچھ ہے وہ ہونیوالی چیز اور آپکو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونیوالی چیز (یہ استفہامات تہویل کیلئے ہیں) ثمود اور عاد نے

وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا

اس کھڑکھڑانے والی چیز (یعنی قیامت) کی تکذیب کی۔ سو ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے۔ اور عاد جو تھے سو وہ ایک تند و تیز

بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا

ہوا سے ہلاک کئے گئے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر سات رات اور آٹھ دن متواتر مسلط کر دیا تھا سو (اے مخاطب اگر) تو (اس وقت) وہاں موجود

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ

ہوتا تو اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے (پڑے) ہیں۔ سو کیا تجھکو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے (یعنی بالکل

بَاقِيَةٍ ۝۸ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ

نیست و نابود ہو گئے) اور اسی طرح فرعون نے اور اس سے پہلے والوں نے اور (قوم لوط کی) الٹی ہوئی بستیوں نے بڑے بڑے قصور کئے (یعنی خود شرک اور ...) سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کا کہنا نہ مانا ۱۲

اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۝۱۱ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سخت پکڑا (یعنی) ہم نے جبکہ (نوح علیہ السلام کے وقت میں) پانی کو طغیانی ہوئی تم کو کشتی میں سوار کیا تاکہ ہم اس معاملہ کو تمہارے لئے ...

ایک نفس الامری چیز

حَاقَّةُ قیامت کا ایک نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ وعدے وعید کی حقانیت اور حقیقت کھول دیتی ہے اسی لئے اس دن کی ہولناکی بیان کرتے ہوئے فرمایا تم اس حَاقَّة کی صحیح کیفیت سے بے خبر ہو، پھر ان لوگوں کا بیان فرمایا یعنی لوگوں نے اسے جھٹلایا تھا اور اپنے اس انکار کا خمیازہ اٹھایا، تو فرمایا ثمودیوں کو دیکھو ایک طرف تو فرشتے کی دھاڑنے کی کلیجوں کو پاش پاش کر دینے والی آواز آئی ہے دوسری جانب سے زمین میں غضب کا بھونچال آتا ہے اور سب تہ و بالا ہو جاتے ہیں، پس بقول حضرت قتادہؒ طَاغِيَة کے معنی ہیں چنگھاڑ کے اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گناہ ہیں یعنی وہ اپنے گناہوں کے باعث برباد کر دیئے گئے، ربیع بن انسؒ اور ابن زیدؒ کا قول ہے کہ اس سے مراد ان کی سرکشی ہے، ابن زیدؒ نے اس کی شہادت میں یہ آیت پڑھی كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا یعنی ثمودیوں نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا یعنی اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں، اور عادی ٹھنڈی ہواؤں کے تیز جھونکوں سے جنھوں نے ان کے دل زخمی کر دیئے تہس نہس کر دیئے گئے، یہ آندھیاں جو خیر و برکت سے خالی تھیں اور فرشتوں کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھیں برابر پے در پے لگاتار سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہیں، ان دونوں میں ان کے لئے سوائے نحوست اور بربادی کے اور کوئی بھلائی نہ تھی، جیسے اور جگہ ہے فِي أَيَّامٍ نَحِسَاتٍ، حضرت ربیعؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن سے یہ شروع ہوئی تھیں بعض کہتے ہیں بدھ سے، ان ہواؤں کو عرب اعجاز اس لئے بھی کہتے ہیں کہ قرآن نے فرمایا ہے ان عادیوں کی حالتیں أَعْجَازُ یعنی کھجوروں کے کھوکھلے تنوں جیسی ہو گئیں، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عموماً یہ ہوائیں جاڑوں کے آخر میں چلا کرتی ہیں، اور عجز کہتے ہیں آخر کو، اور یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ عادیوں کی ایک بڑھیا غار میں گھس گئی تھی جو ان ہواؤں سے آٹھویں روز وہیں تباہ ہو گئی، اور بڑھیا کو عربی میں عجوز کہتے ہیں واللہ اعلم خَاوِيَة کے معنی ہیں خراب سڑا گلا کھوکھلا، مطلب یہ ہے کہ ہواؤں نے انہیں اٹھا اٹھا کر الٹا دے پٹخا، ان کے سر پھٹ گئے، سروں کا تو چورا چورا ہو گیا اور باقی جسم بیٹھ گیا جیسے کھجور کے درخت کا سرا پتوں والا کاٹ کر ٹھنٹ رہنے دیا ہو۔ بخاری مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری مدد کی گئی صبا کے ساتھ یعنی پروا ہوا کے ساتھ اور عادی ہلاک کئے گئے دبور سے یعنی پچھوا ہوا سے۵ ۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں کہ عادیوں کو ہلاک کرنے کے لئے ہواؤں کے خزانے میں سے صرف انگوٹھی کے برابر جگہ کشادہ کی گئی تھی جس سے ہوائیں نکلیں اور پہلے وہ گاؤں اور دیہات والوں پر آئیں ان تمام مردوں عورتوں کو چھوٹے بڑوں کو ان کے مال اور جانوروں سمیت لیکر آسمان و زمین کے درمیان معلق کر دیا، شہریوں کو جو بہت بلندی اور کالی اور بھاری کے یہ معلوم دینے لگا کہ سیاہ رنگ بادل چڑھا ہوا ہے خوش ہونے لگے کہ گرمی کے باعث جو ہماری بری حالت ہو رہی ہے اب پانی برس جائیگا۔ اتنے میں ہواؤں کو حکم ہوا اور اس نے ان تمام کو ان شہریوں پر پھینک دیا یہ اور وہ سب ہلاک ہو گئے، حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس ہوا کے پر اور دم تھی، پھر فرماتا ہے بتلاؤ تو ان میں سے یا ان کی نسل میں سے ایک کو بھی تم دیکھ رہے ہو؟ یعنی سب کے سب تباہ و برباد کر دیئے گئے، کوئی نام لیوا پانی دیوا بھی باقی نہ رہا۔ پھر فرمایا فرعون اور اس سے اگلے خطا کار نافرمان رسولؐ کا بھی یہی انجام ہوا قِبَلَهُ کی دوسری قراءت قَبْلَهُ ہے تو معنے یہ ہوں گے کہ فرعون اور اس کے پاس اور ساتھ کے لوگ یعنی فرعونی قبطی کفار مُؤْتَفِكَاتُ سے مراد بھی پیغمبروں کی جھٹلانے والی اگلی امتیں ہیں، خَاطِئَة سے مطلب معصیت اور خطائیں ہیں، پس فرمایا ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے زمانے کے رسولؐ کی تکذیب کی، جیسے ایک دوسری جگہ ہے إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ٥ یعنی ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی اور ان پر عذاب آ پہنچے، اور یہ بھی یاد رہے کہ ایک پیغمبر کا انکار گویا تمام انبیاء کا انکار ہے جیسے قرآن نے فرمایا كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ٥ اور فرمایا كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ٥ اور فرمایا كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ٥ یعنی قوم نوح علیہ السلام نے، عادیوں نے، ثمودیوں نے رسولوں کو جھٹلایا، حالانکہ سب کے پاس یعنی ہر ایک امت کے پاس ایک ہی رسولؐ آیا تھا یہی مطلب یہاں بھی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغمبرؐ کی نافرمانی کی، پس خدا تعالیٰ نے انھیں سخت تر مہلک بڑی دردناک المناک پکڑ میں پکڑ لیا۔ اس کے بعد اپنا احسان جتاتا ہے کہ دیکھو جب نوح علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے زمین پر طوفان آیا اور پانی حد سے گذر گیا چاروں طرف سیلاب تھا کشتی مدرسے

---

۵ یہ غزوہ خندق کے موقع پر جب تیز آندھی چلی اور اس کے نتیجہ میں تمام اعداء اسلام منتشر ہو گئے وہ ایک تیز آندھی تھی جس نے بحکم خدا اس وقت مخالفین کو میدان جنگ سے بھاگنے پر مجبور کر کے مسلمانوں کی حمایت کی تھی اور یہ یونہی ایک قول ہے زیادہ بھروسہ کے قابل بھی نہیں اس طرح کے دیہاتی قصے

لئے اور نجات کی کوئی جگہ نہ رہی اُس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھا لیا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب قوم نوحؑ نے اپنے نبیؑ کو جھٹلایا اور ان کی مخالفت اور ایذا رسانی شروع کی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے، اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے تنگ آکر ان کی ہلاکت کی دعا کی، جسے خدائے تعالیٰ نے قبول فرمایا اور مشہور طوفان نوحؑ نازل فرمایا جس سے سوائے ان لوگوں کے جو حضرت نوحؑ کی کشتی میں سوار تھے روئے زمین پر کوئی نہ بچا پس سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل اور آپؑ کی اولاد میں سے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پانی کا ایک ایک قطرہ بہ اجازت خدائے تعالیٰ پانی کے داروغہ فرشتے کے ناپ تول کر برستا ہے اسی طرح ہوا کا ہلکا سا جھونکا بھی بے ناپے تولے نہیں چلتا، لیکن ہاں عادیوں پر جو ہوائیں چلیں اور قوم نوحؑ پر جو طوفان آیا وہ تو بے حد اور بے شمار اور بغیر ناپ تول کے تھا، اللہ تعالیٰ کی اجازت سے پانی اور ہوا نے وہ زور باندھا کہ نگہبان فرشتوں کی کچھ نہ چلی، اسی لئے قرآن میں طَغَا الْمَآءُ اور بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ کے الفاظ ہیں اسی لئے اس اہم احسان کو خداوند تبارک و تعالیٰ یاد دلا رہا ہے کہ ایسے پرخطر موقع پر ہم نے تمہیں چلتی کشتی پہ سوار کرا دیا، تاکہ یہ کشتی تمہارے لئے نمونہ بن جائے، چنانچہ آج بھی ویسی ہی کشتیوں پر سوار ہو کر سمندر کے لمبے چوڑے سفر طے کر رہے ہو جیسے اور جگہ ہے وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ الخ یعنی تمہاری سواری کے لئے کشتیاں اور چوپائے جانور بنائے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور سوار ہو کر اپنے رب کی نعمت یاد کرو۔ اور جگہ فرمایا وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا الخ یعنی اُن کے لئے ایک نشانِ قدرت یہ بھی ہے کہ ہم نے اُن کی نسل کو بھری کشتی میں چڑھا لیا اور بھی ہم نے اس جیسی ان کی سواریاں پیدا کر دیں۔ حضرت قتادہؒ نے اوپر کی اس آیت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ وہی کشتی نوحؑ باقی رہی یہاں تک کہ اس اُمت کے اگلوں نے بھی اُسے دیکھا، لیکن زیادہ واضح مطلب پہلا ہی ہے پھر فرمایا یہ اس لئے بھی کہ یاد رکھنے اور سننے والا کان اسے یاد کر لے اور محفوظ رکھ لے اور اس نعمت کو نہ بھولے یعنی صحیح سمجھ اور سچی سماعت والے عقل سلیم اور فہم مستقیم رکھنے والے جو خدا تعالیٰ کی باتوں اور اس کی نعمتوں سے بے پرواہی اور لاابالی نہیں برتتے اُن کی پند و نصیحت کا ایک ذریعہ یہ بھی بن گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں جب یہ الفاظ اترے تو حضورؐ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ علی (کرم اللہ وجہہ) کو ایسا ہی بنا دے، چنانچہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز سن کر پھر میں نے فراموش نہیں کی، یہ روایت، یہ روایت ابن جریر میں بھی ہے لیکن مرسل ہے ابن ابی حاتم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں تجھے نزدیک کروں دور نہ کروں، اور تجھے تعلیم دوں اور تو بھی یاد رکھے اور یہی تجھے بھی چاہیے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ یہ آیت دوسری سند سے بھی ابن جریر میں مروی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً

پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماری جاوے گی (مراد نفخہ اولیٰ ہے) اور (اس وقت) زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اٹھا لئے جاویں گے پھر دونوں ایک ہی دفعہ

وَاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ

ریزہ ریزہ کر دیئے جاویں گے تو اس روز ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جاوے گا اور وہ (آسمان) اس روز بالکل بودا ہوگا

وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ﴿١٧﴾

اور فرشتے (جو آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں) اس کے کنارے پر آ جاویں گے اور آپ کے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۶) موقع پر حیرت انگیز اقوال سننے میں آتے ہیں اور ان کو نقل کرنے میں بھی احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

جس روز (خدا کے روبرو حساب کے واسطے) تم پیش کے جاؤ گے (اس روز) تمہاری کوئی بات (اللہ تعالیٰ سے) پوشیدہ نہ ہوگی۔

صور قیامت

قیامت کی ہولناکیوں کا بیان یہاں ہو رہا ہے سب سے پہلی گھبراہٹ پیدا کرنے والی چیز صور کا پھونکا جانا ہوگا جس سے سب کے دل ہل جائیں گے پھر نفخہ پھونکا جائے گا جس سے تمام زمین و آسمان کی مخلوق بے ہوش ہو جائے گی مگر جسے اللہ چاہے، پھر صور پھونکا جائے گا جس کی آواز سے تمام مخلوق اپنے رب کے سامنے کھڑی ہو جائیگی یہاں اسی پہلے نفخہ کا بیان ہے یہاں بطور تاکید کے یہ بھی فرما دیا کہ یہ اٹھ کھڑے ہونے کا نفخہ ایک ہی ہے اسلئے کہ جب خدا تعالیٰ کا حکم ہو گیا پھر نہ تو اس کا خلاف ہو سکتا ہے نہ وہ ٹل سکتا ہے نہ دوبارہ فرمان کی ضرورت ہے اور نہ تاکید کی۔ امام ربیع فرماتے ہیں اس سے مراد آخری نفخہ ہے لیکن واضح قول وہی ہے جو ہم نے پہلے لکھا، اسی لئے یہاں اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ زمین و آسمان اٹھا لئے جائیں گے اور کھال کی طرح پھیلا دیئے جائیں گے اور زمین بدل دی جائیگی اور قیامت واقع ہو جائے گی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آسمان ہر کھلنے کی جگہ سے پھٹ جائیگا، جیسے سورۂ نبا میں ہے وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا یعنی آسمان کھول دیا جاوے گا۔ اور اس میں دروازے دروازے ہو جائیں گے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں آسمان میں سوراخ اور غار پڑ جائیں گے اور خشق ہو جائیگا عرش اس کے سامنے ہو جائیگا۔ فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے جو کنارے اب تک ٹوٹے نہ ہوں گے اور دروازوں پر ہوں گے آسمان کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ہوں گے اور زمین والوں کو دیکھ رہے ہوں گے پھر فرمایا قیامت والے دن آٹھ فرشتے خداوند تعالیٰ کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے یعنی یا تو مراد عرش عظیم کا اٹھانا ہے یا اس عرش کا اٹھانا مراد ہے جس پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے فیصلوں کے لئے تشریف فرما ہوں گے، واللہ اعلم بالصواب۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی آنکھ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا ایک سو سال کا راستہ ہے۔ ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں عرش کے اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کی نسبت خبر دوں کہ اس کی گردن اور کان کے نیچے تک کی لو کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ اڑنے والا پرندہ سات سو سال تک اڑتا چلا جائے، اس کی اسناد بہت عمدہ ہیں اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں اسے امام ابو داؤدؒ نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتوں کی آٹھ صفیں ہیں۔ اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہ منقول ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ فرشتوں کے آٹھ حصے ہیں جن میں سے ہر ایک حصہ کی گنتی تمام انسانوں جنوں سب فرشتوں کے برابر ہے پھر فرمایا قیامت کے روز تم اس خدا کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جو پوشیدگی کو اور ظاہر کو بخوبی جانتا ہے جس طرح کھلی سے کھلی چیز کا وہ عالم ہے اسی طرح چھپی سے چھپی چیز کو بھی وہ جانتا ہے۔ اسلئے فرمایا کہ تمہارا کوئی بھید اس روز چھپ نہ سکے گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ لوگو! اپنی جانوں کا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا خود اندازہ کر لو اس سے پہلے کہ ان اعمال کا وزن کیا جائے تاکہ کل قیامت والے دن تم پر آسانی ہو جس دن کہ تمہارا پورا پورا حساب لیا جائیگا اور ایک بڑی پیشی میں خود خدائے جل شانہ کے سامنے تم پیش کر دیئے جاؤ گے، مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ تین مرتبہ خدا کے سامنے پیش کئے جائیں گے، پہلی اور دوسری بار تو عذر معذرت

لہ عرش الہی کی کیا صورت اور کیفیت ہے، انسان کی عقل اور اس کے معلوم جاننے سے قطعاً قاصر ہیں بس مختصر طور پر، ایمان (اجمالی) لانا کافی ہے، ہاں بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس وقت عرش کو جو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں تو یہ صرف خدا تعالیٰ کی شوکت و سطوت کا اظہار کرتے ہیں یہ بات نہیں کہ عرش الہی کو کوئی بوجھ یا ثقل رکھتا ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ اس کی حیثیت اور ثقل اس میں ضرور موجود ہے اور کیونکہ قیامت میں خدا تعالیٰ کے جبروت و غلبہ کا اظہار ہوگا اسلئے چار اور بڑھ جائیں گے ... عرش الہی کو ... خدا تعالیٰ کی ربوبیت کے تعلق منافی نہیں ... تو کام ہے تمام فرشتے ... اور ایسے ہوں تمام احادیث پر یقین اجمالاً رکھنا چاہیے ...

لے مطلب ... عالم ... ہوئے ہیں۔

لہ مطلب یہ ہے کہ بہت بڑے ہوں گے۔

جھگڑا مثل کرتے رہیں گے، لیکن تیسری پیشی جو آخری ہوگی اس وقت نامہ اعمال اڑائے جائیں گے کسی کے دائیں ہاتھ میں آئیگا اور کسی کے بائیں ہاتھ میں، یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے حضرت عبداللہؓ کے قول سے بھی یہی روایت ابن جریر میں موجود ہے اور حضرت قتادہؒ سے بھی اس جیسی روایت مرسلاً منقول ہے

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّیْ

پھر نامہ اعمال جس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائیگا وہ تو (خوشی کے مارے آس پاس والوں سے) کہیگا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو۔ میں تو پہلے

ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿۲۱﴾ فِیْ جَنَّةٍ

ہی سے) معتقد تھا کہ مجھکو میرا حساب پیش آنیوالا ہے غرض وہ شخص پسندیدہ عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا جس کے

عَالِیَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔۢا بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ﴿۲۴﴾

میوے (اسقدر) جھکے ہوں گے کہ جس حالت میں چاہیں گے لے سکیں گے اور حکم ہوگا کہ کھاؤ اور پیو مزے کیساتھ ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے گذشتہ ایام (یعنی زمانہ قیام دنیا) میں کئے ہیں۔

سرخرو جماعت یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ جن خوش نصیب لوگوں کو قیامت کے دن ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ سعادت مند حضرات بے حد خوش ہوں گے اور جوش مسرت میں بے ساختہ ہر ایک سے کہتے پھریں گے کہ میرا نامہ اعمال تو پڑھو اور یہ اسلئے کہ جو گناہ بتقاضائے بشریت ان سے ہوگئے تھے وہ بھی ان کی توبہ کی وجہ سے نامہ اعمال میں سے مٹا دیئے گئے ہیں اور نہ صرف مٹا دیئے گئے ہیں بلکہ ان کے بجائے نیکیاں لکھدی گئی ہیں پس یہ سراسر نیکیوں کا نامہ اعمال ایک ایک کو پورے سرور اور سچی خوشی سے دکھاتے پھرتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زیدؒ فرماتے ہیں ھآ کے بعد لفظ ؤُمْ زیادہ ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ھآؤُمْ معنی میں ھَاکُمْ کے ہے۔ حضرت ابوعثمانؒ فرماتے ہیں کہ چپکے سے حجاب میں مومن کو اس کا نامہ اعمال دیا جائیگا۔ جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہوں گے وہ اسے پڑھتا ہوگا اور ہر ایک گناہ پر اس کے ہوش اڑ جاتے ہوں گے، چہرے کی رنگت اڑتی ہوگی اتنے میں اس کی نگاہ اپنی نیکیوں پر پڑ جائے گی جب انھیں پڑھنے لگے گا تب ذرا چین آنے گا ہوش و حواس درست ہوں گے اور چہرہ کھل جائیگا، پھر نظریں جا کر پڑھے گا تو دیکھے گا کہ اس کی برائیاں بھی بھلائیوں سے بدل دی گئی ہیں، ہر برائی کی جگہ بھلائی لکھی ہوئی ہے۔ اب تو اس کی باچھیں کھل جائیں گی اور خوشی خوشی نکل کھڑا ہوگا اور جو بھی ملیگا اس سے کہے گا کہ ذرا میرا نامہ اعمال تو پڑھو۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنھیں فرشتوں نے ان کی شہادت کے بعد غسل دیا تھا ان کے لڑکے حضرت عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قیامت والے دن اپنے سامنے کھڑا کریگا اور اس کی برائیاں اس کے نامہ اعمال کی پشت پر لکھی ہوئی ہوں گی جو اس پر ظاہر کی جائیں گی۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیگا کہ بتا کیا تو نے یہ اعمال کئے ہیں؟ وہ اقرار کرے گا کہ ہاں بیشک خدایا یہ برائیاں مجھ سے ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ میں نے دنیا میں بھی تجھے رسوا نہیں کیا اور نہ فضیحت کی، اب یہاں بھی میں تجھ سے درگزر کرتا ہوں اور تیرے تمام گناہوں کو معاف کرتا ہوں، جب یہ اس سے فارغ ہوگا تب اپنا نامہ اعمال لے کر بادل شاد ایک ایک کو دکھاتا پھرے گا۔ حضرت عمرؓ والی صحیح حدیث جو پہلے بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے کو اپنے پاس بلائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کی بابت پوچھے گا کہ فلاں گناہ کیا؟ فلاں گناہ کیا؟ وہ اقرار کرے گا یہاں تک کہ سمجھ لیگا کہ اب میں برباد ہوا، اس وقت جناب باری عزاسمہ فرمائے گا۔ کہ اے میرے بندے دنیا میں میں نے تیری ان برائیوں پر پردہ ڈال رکھا تھا اب آج تجھے کیا رسوا کروں، جا میں نے تجھے بخش دیا۔

ـــــــــــــــــــ

یہ جیسا ہم کبھی کسی مسرت انگیز حکم سے کیا کرتے ہیں جو شخص مسرت سے اسے پڑھوانے پھرتے ہیں تفسیر کبیر میں ہے کہ ذٰلِکَ ذَنبٌ عَلٰی اسۡمِهٖ جمع الخاطیۃ فی الناس ومن لہ منّ احد حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ معاملہ تمام ہی گنہ گار بندوں کے ساتھ ہوگا بلکہ شاید یہ کوئی ایک ہی مخصوص طبقہ ہے جس کے ساتھ یہ معاملہ فرمائیں گے اور اس کے ساتھ خاص طور پر یہ معاملہ حکمت اس کی خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں

ـــــــــــــــــــ

پھر اُس کا نامۂ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے جس میں صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں، لیکن کافروں اور منافقوں کے بارے میں تو گواہ پکار اُٹھتے ہیں کہ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ کہا لوگو سُنو ان ظالموں پر خدا تعالیٰ کی پھٹکار ہے پھر فرماتا ہے کہ یہ دائیں ہاتھ کے نامۂ اعمال والا کہتا ہے کہ مجھے تو دنیا میں ہی یقین کامل تھا کہ یہ حساب کا دن قطعاً آنے والا ہے جیسے اور جگہ فرمایا الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُوا رَبِّهِمْ یعنی انہیں یقین تھا کہ یہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ فرمایا ان کی جزا یہ ہے کہ یہ پسندیدہ اور دلخوش کُن زندگی پائیں گے، اور بلند و بالا بہشت میں رہیں گے، جس کے محلات اونچے اونچے ہوں گے جس کی حوریں قبول صورت اور نیک سیرت ہوں گی۔ وہ گھر نعمتوں کے بھرپور خزانے ہوں گے اور یہ تمام نعمتیں نہ ختم ہونے والی بلکہ کمی سے بھی محفوظ ہوں گی۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! کیا اونچے نیچے مرتبے والے جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقاتیں بھی کریں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں بلند مرتبے کے لوگ کم مرتبہ کے لوگوں کے پاس ملاقات کے لئے اُتریں گے اور خوب محبت و اخلاص کے ساتھ سلام مصافحے اور خاطر مدارت ہوگی، ہاں البتہ نیچے والے بہ سبب اپنے اعمال کی کمی کے اوپر نہ چڑھیں گے ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ جنت میں ایک سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں، پھر فرماتا ہے کہ اُس کے پھل نیچے نیچے ہوں گے۔ حضرت براء بن عازب وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس قدر جھکے ہوئے ہوں گے کہ جنتی اپنے چھپر کھٹ پر لیٹے ہی لیٹے اُن میووں کو توڑ لیا کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر ایک جنتی کو خدا کی طرف سے ایک لکھا ہوا پروانہ ملے گا جس میں لکھا ہوا ہوگا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ هٰذَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ لِفُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ اُدْخُلُوْهُ جَنَّةً عَالِيَةً ۝ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝ یعنی خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع۔ یہ اجازت نامہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں شخص کے لئے جو فلاں کا بیٹا ہے، اسے بلند و بالا جھکی ہوئی شاخوں اور لدے پھدے ہوئے خوشوں والی خوشگوار جنت میں جانے دو (طبرانی) بعض روایتوں میں ہے یہ پروانہ پل صراط پر حوالے کر دیا جائے گا۔ پھر فرمایا انہیں بطور احسان اور مزید لطف و کرم کے زبانی بھی کہا جائے گا کہ کھانے پینے کی رخصت مرحمت ہوگی، اور کہا جائیگا کہ یہ تمہاری نیک اعمالیوں کا بدلہ ہے۔ اعمال کا بدلہ کہنا صرف بطور لطف و کرم کے ہے ورنہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں عمل کرتے جاؤ سیدھے اور قریب قریب رہو اور جان رکھو کہ صرف اعمال جنت میں لے جانے کے لئے کافی نہیں، لوگوں نے عرض کیا حضور آپ کے اعمال بھی نہیں، فرمایا نہ میرے، ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اُس کی رحمت شامل حال ہو

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾

اور جس کا نامۂ اعمال اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ (نہایت حسرت سے) کہیگا کیا ہوتا کہ مجھکو میرا نامۂ عمل ہی نہیں ملتا اور مجھکو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔

يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوهُ

کیا اچھا ہوتا کہ موت (دائمی) ہی خاتمہ کر چکتی (افسوس) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گذرا (ایسے شخص کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس شخص

فَغُلُّوهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴿٣٢﴾

کو پکڑو اور اس کے طوق پہنا دو، پھر دوزخ میں اسکو داخل کرو پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز ہے اسس کو جکڑ دو

إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ لَهُ

یہ شخص [illegible] خدائے بزرگ [illegible] ایمان نہ رکھتا تھا [illegible] غریب آدمی کے کھانے کی ترغیب دیا کرتا تھا اس لئے مستحق عذاب ہوا سو آج اس شخص کا

[illegible] اپنی رحمت کی وجہ سے ہلا استحقاق صرف [illegible] ایمان [illegible]
[illegible] امام رازی نے لکھا ہے کہ [illegible] علیہم [illegible]

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَأْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع ۱ ۵

کوئی مددگار ہے اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے بجز زخموں کے دھوون کے جس کو بجز بڑے گنہگاروں کے کوئی نہ کھاویگا

اور یہ بد قسمت یہاں گنہگاروں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب میدانِ قیامت میں انھیں ان کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا یہ نہایت پریشان اور پشیمان ہوں گے، اور حسرت و افسوس سے کہیں گے کہ کاش کہ ہمیں عمل نامہ ملتا ہی نہیں اور کاش کہ ہم اپنے حساب کی اس کیفیت سے آگاہ ہی نہیں ہوتے۔ کاش کہ موت نے ہی ہمارا کام ختم کر دیا ہوتا، اور یہ دوسری زندگی ہمیں ملتی ہی نہیں، جس موت سے دنیا میں بہت ہی گھبراتے تھے آج اس کی آرزوئیں کریں گے، یہ کہیں گے کہ ہمارے مال و جاہ نے بھی آج ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور ہماری ان چیزوں نے بھی یہ عذاب ہم سے نہ ہٹائے، تنہا ہماری ذات پر یہ وبال آپڑے نہ کوئی مددگار ہمیں نظر آتا ہے نہ اس سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت دکھائی دیتی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیگا کہ اسے پکڑو اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو اور اسے جہنم میں لے جاؤ اور اس میں پھینک دو۔ حضرت منہال بن عمرو فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو سنتے ہی کہ اسے پکڑو ستر ہزار فرشتے اس کی طرف لپکیں گے جن میں سے اگر ایک فرشتہ کو بھی اس طرح اللہ تعالیٰ حکم کرے تو ایک چھوڑ ستر ہزار لوگوں کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دے۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ چار لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑیں گے اور کوئی چیز باقی نہ رہے گی مگر اسے توڑ پھوڑ دیں گے یہ کہیگا تمہیں مجھ سے کیا تعلق؟ وہ کہیں گے خداوند تبارک و تعالیٰ تجھ پر غضبناک ہے اور اس وجہ سے ہر چیز تجھ پر غصے میں ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے صادر ہوتے ہی ستر ہزار فرشتے اس کی طرف غصے سے دوڑیں گے جن میں ہر ایک دوسرے پر سبقت کرنے چاہے گا کہ اسے میں طوق پہناؤں، پھر اسے جہنم کی آگ میں غوطہ دینے کا حکم ہوگا۔ پھر ان زنجیروں میں جکڑا جائیگا، جن کا ایک ایک حلقہ بقول حضرت کعب احبارؓ دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہوگا حضرت ابن عباسؓ اور ابن جریجؒ فرماتے ہیں یہ ناپ فرشتوں کے ہاتھ کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان ہے کہ یہ زنجیریں اس کے جسم میں پرو دی جائیں گی، پاخانے کے راستے سے ڈالی جائیں گی اور منہ سے نکالی جائیں گی، اور اس طرح آگ میں بھونا جائیگا جیسے سیخ میں کباب اور تیلی میں ٹڈی، یہ بھی مروی ہے کہ پیچھے سے یہ زنجیریں ڈالی جائیں گی اور ناک کے دونوں نتھنوں سے نکالی جائیں گی جس سے کہ وہ پیروں کے بل کھڑا ہی نہ ہو سکے گا۔ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر کوئی بڑا سا پتھر آسمان سے پھینکا جاوے تو زمین پر وہ ایک رات میں آجائے لیکن اگر اسی کو جہنمیوں کے باندھنے کی زنجیر کے سرے پر سے چھوڑا جائے تو دوسرے سرے تک پہنچنے میں چالیس سال لگ جائیں گے، یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن بتلاتے ہیں پھر فرمایا کہ یہ خدائے عظیم پر ایمان نہ رکھتا تھا نہ مسکین کو کھلا دینے کی کسی کو رغبت دیتا تھا یعنی نہ تو خدا کی اطاعت و عبادت کرتا تھا نہ مخلوق خدا کے حق ادا کرتا نہ اسے نفع پہنچاتا تھا خدا کا حق تو مخلوق پر یہ ہے کہ اس کی توحید کو مانیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر حق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے احسان و سلوک کریں۔ اور بھلے کاموں میں آپس میں ایک دوسرے کو امداد پہنچاتے رہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حقوق کو عموماً ایک ساتھ بیان فرمایا ہے، جیسے نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کے وقت میں ان دونوں کو ایک ساتھ بیان فرمایا کہ نماز کی حفاظت کرو اور اپنے ماتحتوں کو ساتھ نیک سلوک کرو۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہاں یہ آج کے وقت اس کا کوئی خالص دوست ایسا نہیں نہ کوئی قریبی رشتہ دار یا سفارشی ایسا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے، اور نہ اس کے لئے کوئی غذا ہے سوائے بدترین سڑی ہوئی بیکار چیز کے جس کا نام غسلین ہے یہ جہنم کا ایک درخت ہے اور

ف جیسا کہ رشتہ ناف خطوط کو دیکھ کر دل میں کیا تھا پیدا ہوتی ہے عے بہر حال یہ ناپ عالم آخرت کا ہے جس کی ہر چیز کو یہاں اس دنیا کی چیزوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ مقصود زنجیر کا طول بتانا ہو کوئی خاص اور متعین پیمائش کا اظہار نہ ہو جیسا کہ اندلسی بحر المحیط میں لکھا ہے کہ " لیس الغرض التحدید بل الوصف بالطول كما قال ان تستغفر لهم سبعين مرة يريد مرات كثيرة "

ممکن ہے کہ اسی کا دوسرا نام زقوم ہو، اور غسلین کے یہ معنے بھی کئے گئے ہیں کہ جہنمیوں کے بدن سے جو خون اور پانی بہتا ہے وہ ہے، اور یہ
کہا گیا ہے کہ ان کی پیپ وغیرہ۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۳﴾ وَّمَا هُوَ

پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی بھی جنہیں تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے کہ یہ قرآن (اللہ کا) کلام ہے جو ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا ہے جسے پہنچایا ہے ایک بزرگ

بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾

رسول ہی کا اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں (جیسا کفار کہتے ہیں) مگر تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے (جیسا بعض کفار کہتے ہیں) مگر تم بہت کم سمجھتے ہو یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا کلام ہے

عظیم صحیفہ آسمانی

اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے، اپنی مخلوق میں سے اپنی اُن نشانیوں کی قسم کھا رہا ہے جنہیں لوگ دیکھ رہے ہیں اور اُن کی بھی جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ اس بات پر کہ قرآن کریم اُس کا کلام اور اُس کی وحی ہے جو اُس نے اپنے بندے اور اپنے برگزیدہ رسول پر اُتاری ہے، جسے اس نے ادائے امانت اور تبلیغ رسالت کے لئے پسند فرما لیا ہے۔ رسول کریم سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کی اضافت حضور کی طرف اسلئے کی گئی کہ اس کے مبلغ اور پہنچانے والے آپ ہی ہیں اسی لئے لفظ رسول لائے، کیونکہ رسول تو پیغام اپنے بھیجنے والے کا پہنچاتا ہے گو زبان اُس کی ہوتی ہے لیکن کہا ہوا بھیجنے والے کا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ سورۂ تکویر میں اس کی نسبت اُس سفیر کی طرف کی گئی ہے جو فرشتوں میں سے ہیں، فرمان ہے: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ الخ یعنی یہ قول اُس بزرگ رسول کا ہے جو قوت والا اور مالک عرش کے پاس رتبے والا ہے وہاں اس کا کہنا مانا جاتا ہے اور ہے بھی وہ امانت دار، اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں، اسی لئے اس کے بعد فرمایا تمہارے ساتھی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنون (دیوانے) نہیں بلکہ آپ نے حضرت جبرئیل کو اُن کی اصل صورت میں صاف کنارے دنیا پر دیکھا بھی ہے اور وہ پوشیدہ علم پر بخیل بھی نہیں۔ نہ یہ شیطان رجیم کا قول ہے، اسی طرح یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ نہ تو یہ شاعر کا کلام ہے نہ کاہن کا قول ہے۔ البتہ تمہارے ایمان میں، اور نصیحت حاصل کرنے میں کمی ہے۔ پس کبھی تو اپنے کلام کی نسبت رسول انسی کی طرف کی اور کبھی رسول ملکی کی طرف، اس لئے کہ یہ دونوں پہنچانے والے اور لانے والے اور اس پر امین ہیں، ہاں دراصل کلام کس کا ہے؟ اسے بھی ساتھ ہی ساتھ بیان فرما دیا کہ یہ اُتارا ہوا رب العالمین کا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کے پاس گیا دیکھا کہ آپ مسجد حرام میں پہنچ گئے ہیں، میں بھی گیا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا آپ نے سورۂ حاقہ شروع کی جسے سنکر مجھے اُس کی پر شوکت نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا آخر میں میرے دل میں خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں کہ یہ قول رسول کریم کا ہے شاعر کا نہیں۔ تم میں ایمان ہی کم ہے، تو میں نے خیال کیا اچھا شاعر نہ سہی کاہن تو ضرور ہے ادھر آپ کی تلاوت میں یہ آیت آئی کہ یہ کاہن کا قول بھی نہیں تم نے نصیحت ہی کم لی ہے۔ آپ پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کی۔ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا اور رگ رگ ریشے ریشے میں اسلام کی سچائی گھس گئی، پس یہ بھی منجملہ اُن اسباب کے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا باعث ہوئے ایک خاص سبب ہے، ہم نے آپ کے اسلام لانے کی پوری کیفیت سیرت عمر میں لکھدی ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

ف قرآن عالم انسانوں تک دو ذریعوں سے پہنچا ایک حضرت جبرئیل علیہ السلام جو اس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لیکر نازل ہوئے اور فرشتہ ہونے کی وجہ کسی کو نظر نہیں آتے۔ دوسرے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جو انسان ہونے کی وجہ سے ہر ایک کے لئے مرئی تھے اسلئے اس موقعہ پر دکھائی دینے والی اور نہ دکھنے میں آنے والی چیزوں کی قسم کتنی مناسب اور اعجاز کلام کی دلیل ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿٧﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٨﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا

اور اگر یہ (پیغمبر) ہمارے ذمہ کچھ (جھوٹی) باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ہم ان کی رگ دل

مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٩﴾ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿١٠﴾ وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ

کاٹ ڈالتے پھر تم میں کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا اور بلاشبہ یہ (قرآن) متقیوں کیلئے

لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١١﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنكُم مُّكَذِّبِينَ ﴿١٢﴾ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿١٣﴾

نصیحت ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعضے تکذیب کرنے والے بھی ہیں (پس ہم ان کو اسکی سزا دیں گے) اور (اس اعتبار سے) یہ قرآن کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے

وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ﴿١٤﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿١٥﴾

اور یہ (قرآن) تحقیقی یقینی بات ہے سو (جس کا یہ کلام ہے) اپنے (اس) عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے

٢ ع ٥ ٢

اگر وحی میں کچھ تصرف کیا جائے

یہاں فرمان باری ہو رہا ہے کہ جس طرح تم کہتے ہو اگر فی الواقع ہمارے یہ رسول ایسے ہی ہوتے کہ ہماری رسالت میں کچھ کمی بیشی کر ڈالتے یا ہماری نہ کہی ہوئی بات ہمارے نام سے بیان کرتے تو یقیناً اسی وقت ہم انہیں بدترین سزا دیتے، یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے اس کا دایاں ہاتھ تھام کر اس کی وہ رگ کاٹ ڈالتے جس پر دل معلق ہے اور کوئی ہمارے اس کے درمیان بھی نہ آ سکتا کہ اسے بچانے کی کوشش کرے پس مطلب یہ ہوا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سچے پاک باز رشد و ہدایت والے ہیں۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے زبردست تبلیغی خدمت آپ کو سونپ رکھی ہے اور اپنی طرف سے بہت سے زبردست معجزے اور آپ کے صدق کی بہترین بڑی بڑی نشانیاں آپ کو عنایت فرما رکھی ہیں۔ پھر فرمایا یہ قرآن متقیوں کیلئے تذکرہ ہے، جیسے اور جگہ ہے کہ کہہ دے یہ قرآن ایمانداروں کیلئے ہدایت اور شفا ہے، اور بے ایمان تو اندھے بہرے ہیں ہی، پھر فرمایا باوجود اس صفائی اور کھلے حق کے ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اسے جھوٹا بتلاتے ہیں، یہ تکذیب ان لوگوں کے لئے قیامت کے دن باعث حسرت و افسوس ہوگی۔ یا یہ مطلب کہ یہ قرآن اور اس پر ایمان حقیقتاً کفار پر حسرت کا باعث ہوگا، جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر ہے کہ اسی طرح ہم اسے گناہگاروں کے دلوں میں اتارتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے، دوسری جگہ ہے وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ ان میں اور ان کی خواہش میں حجاب ڈال دیا گیا ہے پھر فرمایا یہ خبر بالکل سچ حق اور بے شک وشبہ ہے، پھر اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اس قرآن کے نازل کرنے والے رب عظیم کے نام کی بزرگیاں اور پاکیزگیاں بیان کرتے رہو۔

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ حاقہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ الحمد للہ رب العالمین۔

تفسیر سورۂ معارج مکیہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ﴿١﴾ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ﴿٢﴾ مِّنَ اللَّهِ ذِي

ایک درخواست کرنیوالا (براہ انکار) اس عذاب کی درخواست کرتا ہے جو کہ کافروں پر واقع ہونیوالا ہے (اور جس کا کوئی) دفع کرنیوالا نہیں (اور وہ) جو خدا کی طرف سے واقع

الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ

ہوگا جو کہ سیڑھیوں کا (یعنی آسمانوں کا) مالک ہے (جن سیڑھیوں سے) فرشتے اور (اہل ایمان کی) روحیں اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں (اور وہ عذاب) ایسے دن ہوگا جس کی

سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾

مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال کی (برابر) ہے سو آپ (ان کی مخالفت پر) صبر کیجئے اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو یہ لوگ اس دن کو (بوجہ اعتقاد نفی کے) دور (بعید) دیکھ رہے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں۔

ایک سوال بعذاب میں جو "ب" ہے وہ بتا رہی ہے کہ یہاں فعل کی تضمین ہے گویا کہ فعل مقدر ہے یعنی یہ کافر عذاب کے واقع ہونے کی طلب میں جلدی کر رہے ہیں جیسے اور جگہ ہے وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ۔ یعنی یہ عذاب کے مانگنے میں عجلت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا یعنی اس کا عذاب یقیناً اپنے وقتِ مقررہ پر آ کر ہی رہے گا۔ نسائی میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ کافروں نے عذاب خدا مانگا جو اُن پر یقیناً آنے والا ہے یعنی آخرت میں، ان کی اس طلب کے الفاظ بھی دوسری جگہ قرآن میں منقول ہیں کہتے ہیں اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ یعنی خدایا اگر یہ دعوتِ اسلام وغیرہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمارے پاس کوئی دردناک عذاب لا۔ ابن زیدؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عذاب کی وادی ہے جو قیامت کے دن عذابوں سے بہ نکلے گی۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے اور اس سے کوئی مطلب ہی واضح نہیں ہوتا، صحیح قول پہلا ہی ہے جس پر روش کلام کی دلالت بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ عذاب کافروں کے لئے تیار ہے۔ اور اُن پر آ پڑنے والا ہے، جب آجائے گا تو اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور نہ کسی میں اتنی طاقت ہے کہ اُسے ہٹا سکے۔ ذِی الْمَعَارِجِ کے معنی ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق درجوں والا، یعنی بلندیوں اور بزرگیوں والا، اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ مراد معارج سے آسمان کی سیڑھیاں ہیں۔ قتادہؒ کہتے ہیں فضل و کرم اور نعمت و رحم والا، یعنی یہ عذاب اُس خدا کی طرف سے ہے جو ان صفتوں والا ہے اس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں۔ روح کی تفسیر میں حضرت ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک قسم کی مخلوق ہے انسان تو نہیں لیکن انسانوں سے بالکل مشابہ ہے۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں اور یہ عطف ہو عام پر خاص کا۔ اور ممکن ہے کہ اس سے مراد بنی آدم کی روحیں ہوں اس لئے کہ وہ بھی قبض ہونے کے بعد آسمان کی طرف چڑھتی ہیں۔ جیسے کہ حضرت براءؓ کی طویل حدیث میں ہے کہ جب فرشتے پاک روح نکالتے ہیں تو اسے لے کر ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر چڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں۔

گو اس کے بعض راویوں میں کلام ہے لیکن یہ حدیث مشہور ہے اور اس کی شہادت میں حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی ہے، جیسا کہ پہلے یہ روایت مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ترمذی اور ابن ماجہ میں گذر چکی ہے جس کی سند کے راوی ایک جماعت کی شرط کے مطابق ہیں۔ پہلی حدیث بھی مسند احمد ابو داؤد و نسائی اور ابن ماجہ میں ہے۔ ہم نے اس کے الفاظ اور اس کے طرق کا بسیط بیان آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ کی تفسیر میں کر دیا ہے۔ پھر فرمایا اُس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال

---

[1] کیونکہ ہم حق کا انکار کر رہے ہیں اور انکار حق کی سزا عذاب ہے۔ گویا کہ کفار یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ جس کا ہم انکار کر رہے ہیں وہ حق ہی نہیں اگر حق ہوتا تو ہمارے مسلسل انکار پر عذاب آجانا چاہیئے تھا۔

کی ہے۔ اس میں چار قول ہیں، ایک تو یہ کہ اس سے مراد وہ دوری ہے جو اسفل السافلین سے عرشِ معلّٰی تک ہے۔ اور اسی طرح عرش کے نیچے سے اوپر تک کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے، اور عرش معلّٰی سُرخ یاقوت کا ہے، جیسے کہ امام ابن شیبہؒ نے اپنی کتاب "صفت العرش" میں ذکر کیا ہے، ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اُس کے حکم کے انتہا نیچے کی زمین سے آسمانوں کے اوپر تک کی پچاس ہزار سال کی ہے اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے یعنی آسمان سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک ایک دن میں جو ایک ہزار سال کے برابر ہے اس لئے کہ آسمان و زمین کا فاصلہ پانچ سو سال کا ہے۔ یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت مجاہدؒ کے قول سے مروی ہے، حضرت ابن عباسؓ کے قول سے نہیں ہے، حضرت ابن عباسؓ سے ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ ہر زمین کی جسامت پانچ سو سال کے فاصلہ کی ہے، اور ایک زمین سے دوسری زمین تک پانچ سو سال کی دوری ہے تو سات ہزار سال یہ ہو گئے۔ اسی طرح آسمان تو چودہ ہزار سال یہ ہوئے اور ساتویں آسمان سے عرشِ عظیم تک چھتیس ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ یہی معنی ہیں خداوند تبارک و تعالیٰ کے اس فرمان کے کہ اُس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کیا ہے تب سے لیکر قیامت تک کی اس کے بقا کی آخری مدّت پچاس ہزار سال کی ہے، چنانچہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ دُنیا کی کل عمر پچاس ہزار سال کی ہے، اور یہی ایک دن ہے جو اس آیت میں مراد لیا گیا ہے، حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی پوری مدت یہی ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ کس قدر گذر گئی اور کتنی باقی ہے، بجز اللہ تبارک و تعالیٰ کے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دن وہ ہے جو دُنیا اور آخرت میں فاصلہ کا ہے، حضرت محمدؒ بن کعب یہی فرماتے ہیں لیکن یہ قول بہت ہی کمزور ہے، چوتھا قول یہ ہے کہ اُس سے مراد قیامت کا دن ہے، حضرت ابن عباسؓ سے یہ بسند صحیح مروی ہے، حضرت عکرمہؒ بھی یہی فرماتے ہیں، ابن عباسؓ کا قول ہے کہ قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ کافروں پر پچاس ہزار سال کا کر دے گا، مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یہ دن تو بہت ہی بڑا ہے، آپ نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ مؤمن پر اس قدر آسان ہو جائیگا کہ دُنیا کی ایک فرض نماز کی ادائیگی میں جتنا وقت لگتا ہے اُس سے بھی کم ہو گا۔ یہ حدیث ابن جریر میں بھی ہے اُس کے دو راوی ضعیف ہیں، واللہ اعلم۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے قبیلۂ بنو عامر کا ایک شخص گزرا لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ اپنے قبیلہ میں سب سے بڑا مالدار ہے، آپ نے اُسے بلوایا اور فرمایا کیا واقع میں تم سب سے زیادہ مالدار ہو؟ اُس نے کہا ہاں میرے پاس رنگ برنگ کے سینکڑوں اونٹ، قسم قسم کے غلام، اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے گھوڑے وغیرہ ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دیکھو خبردار ایسا نہ ہو کہ یہ جانور اپنے پاؤں سے تمہیں روندیں اور اپنے سینگوں سے تمہیں ماریں، بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ عامری کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور اُس نے کہا حضرتؓ یہ کیوں؟ آپؓ نے فرمایا سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو اپنے اونٹوں کا حق ادا نہ کرے گا[ع] اُن کی سختی میں اور اُن کی آسانی میں تو اُسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک چٹیل لمبے چوڑے صاف میدان میں چت لٹائیگا اور اُن تمام جانوروں کو موٹا تازہ کر کے حکم دے گا کہ اسے روندتے ہوئے چلو، چنانچہ ایک ایک کر کے اسے کچلتے ہوئے گزریں گے جب آخر والا گزر جائے گا تو اول والا لوٹ کر آجائے گا یہی عذاب اُسے ہوتا رہے گا اُس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا، اسی طرح گائے، گھوڑے، بکری وغیرہ بھی سینگ دار جانور اپنے سینگوں سے بھی اسے مارتے جائیں گے کوئی ان میں بے سینگ کا یا ٹوٹے ہوئے سینگ والا نہ ہو گا، عامری نے پوچھا اے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایئے اونٹوں میں خدا کا حق کیا ہے؟ فرمایا مسکینوں کو سواری کے لئے تحفۃً دینا، غرباء کے ساتھ سلوک کرنا، دودھ پینے کے لئے جانور دینا

[ع] یعنی ان میں واجب زکوٰۃ نہ نکالے گا اور وہ تمام حقوق جو آئندہ صفحہ پر خود راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں۔

اُن کے نروں کی ضرورت جنہیں مادہ کیلئے ہو اُنہیں مانگا ہو لے قیمت دینا، یہ حدیث ابو داؤد اور نسائی میں بھی دوسری سند سے مذکور ہے، مسند کی ایک حدیث میں ہے کہ جو سونے چاندی کے خزانے والا اس کا حق ادا نہ کرے گا اُس کا سونا چاندی تختیوں کی صورت میں بنایا جائیگا اور جہنم کی آگ میں تپا کر اُس کی پیشانی، کروٹ اور پیٹھ داغی جائیگی یہاں تک کہ خداوند تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے کرلے اُس دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی سے پچاس ہزار سال کی ہوگی، پھر وہ اپنا راستہ جنّت کی طرف یا جہنم کی طرف دیکھ لے گا، پھر آگے بکریوں اور اونٹوں کا بیان ہے جیسے اوپر گزرا اور یہ بھی بیان ہے کہ گھوڑے تین قسم کے لوگوں کے لئے ہیں، ایک قسم کے تو اجر دلانے والے، دوسری قسم کے پردہ پوشی کرنے والے، تیسری قسم کے بوجھ ڈھونے والے الخ یہ حدیث پوری پوری صحیح مسلم شریف میں بھی ہے، ان راویوں کے پورا بیان کرنے کی اور ان کی سندوں اور الفاظ کے تمام تر نقل کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتاب الزکوٰۃ ہے، یہاں ان کے ذکر کرنے سے ہماری غرض صرف ان الفاظ سے ہے کہ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کریگا اُس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ وہ دن کیا ہے جس کی مقدار ایک ہزار سال کی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ دن کیا ہے جو پچاس ہزار سال کا ہے؟ اُس نے کہا حضرت میں تو خود دریافت کرنے آیا ہوں، آپ نے فرمایا کہ سُنو یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اللہ تعالیٰ ہی کو ان کی حقیقت کا بخوبی علم ہے میں تو باوجود نہ جاننے کے کتاب اللہ میں کچھ کہنا مکروہ جانتا ہوں پھر فرماتا ہے کہ اے نبی تم اپنی قوم کے جھٹلانے پر اور عذاب کے مانگنے کی جلدی پر جسے وہ اپنے نزدیک نہ آنے والا جانتے ہیں صبر و تحمل کرو، جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہے یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا الخ یعنی بے ایمان تو قیامت کے جلد آنے کی تمنائیں کرتے ہیں اور ایمان دار اس کے آنے کو حق جان کر اُس سے ڈر رہے ہیں، اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ یہ تو اُسے دور جان رہے ہیں بلکہ محال اور واقع نہ ہونے والا مانتے ہیں لیکن ہم اُسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں، یعنی مومن تو اس کا آنا حق جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب آیا ہی چاہتا ہے نہ جانیں کب قیامت قائم ہو جائے اور کب عذاب آپڑیں کیونکہ اُس کے صحیح وقت کو تو بجز ذاتِ باری تعالیٰ کے اور کوئی جانتا ہی نہیں، پس ہر وہ چیز جس کے آنے اور ہونے میں کوئی شک نہ ہو اُس کا آنا قریب ہی سمجھا جاتا ہے اور اُس کے واقع ہونے کا ہر وقت کھٹکا ہی رہتا ہے۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ وَلَا يَسْئَلُ

وہ عذاب اس دن واقع ہوگا جس دن کہ آسمان تلچھٹ کی طرح ہو جائیگا اور (اس روز) پہاڑ رنگین اون کی طرح (جو کہ دھنی ہوئی ہو) ہو جاویں گے (یعنی اڑتے پھریں گے) اور کوئی دوست کسی

حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿۱۰﴾ يُبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ

دوست کو نہ پوچھیگا باوجودیکہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جاویں گے (اور اس روز) مجرم (یعنی کافر) اس بات کی تمنا کریگا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے

بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دیکر

جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

پھر یہ (فدیہ میں دیدینا) اسکو (عذاب سے) بچالے یہ ہرگز نہ ہوگا (بلکہ) وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کھال (تک) اُتار دے گی (اور) وہ اس شخص کو (خود) بلا دیگی جس نے (دنیا میں حق سے) پیٹھ پھیری

قیامت کی ہولناکیاں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس عذاب کو یہ طلب کر رہے ہیں وہ عذاب ان طلب کرنے والے کافروں پر اُس دن آئیگا جس دن آسمان مثل مُہل کے ہو جائے یعنی زیتون کے تیل کی تلچھٹ جیسا ہو جائے اور پہاڑ ایسے ہو جائیں جیسی دھنی ہوئی روئی، یہی فرمان اور جگہ ہے وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ○ پھر فرماتا ہے کہ کوئی قریبی رشتہ دار کسی اپنے قریبی رشتہ دار سے

کچھ معلوم تک نہ کرے گا حالانکہ ایک دوسرے کو بُری حالت میں دیکھ لیے ہوں گے لیکن خود ایسے مشغول ہوں گے کہ دوسرے کا حال پوچھنے کا بھی ہوش نہیں رہے گا سب اپنی ہی فکر میں پڑے رہیں گے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے کو دیکھے گا پہچانے گا لیکن پھر بھاگ کھڑا ہوگا جیسے اور جگہ ہے لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝ یعنی ہر ایک شخص ایسے مشغلے میں لگا ہوگا جو دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ہی نہ دیگا اور جگہ فرمان ہے کہ لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اُس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنی اولاد کو اور اولاد اپنے ماں باپ کو کچھ کام نہ آئے گی الخ ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہے کہ گو قرابت دار ہوں لیکن کوئی کسی کا بوجھ نہ بٹائیگا۔ اور جگہ فرمان ہے فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ۝ یعنی صور پھونکتے ہی سب آپس کے رشتے ناطے ایک دوسرے کی غمخواری ختم ہو جائے گی۔ ایک اور جگہ فرمان ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ الخ یعنی اُس دن انسان اپنے بھائی سے ماں سے باپ سے بیوی سے اور فرزند سے بھاگتا پھرے گا ہر شخص بوجہ اپنی پریشانیوں کے دوسرے سے غافل ہوگا۔ یہ وہ دن ہوگا کہ اس دن ہر گنہگار چاہے گا کہ اپنی اولاد کو اپنے فدیہ میں دے کر جہنم کے عذاب سے چھوٹ جائے اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے رشتے کنبے کو اور اپنے خاندان اور قبیلہ کو بلکہ چاہے گا تمام روئے زمین کے لوگوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے لیکن اُسے آزاد کر دیا جائے، آہ کیا ہی دلگداز منظر ہے کہ اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو اپنی شاخوں اور اپنی جڑوں کو اور سب کے سب کو آج فدا کرنے پر تیار ہے تاکہ خود بچ جائے فصیلہ کے ایک معنی ماں کے بھی کئے گئے ہیں، غرض کہ تمام تر محبوب ہستیوں کو اپنی طرف سے فدیہ کے طور پر دینے میں رضا مند ہوگا لیکن کوئی چیز کام نہ آئے گی، کوئی بدلہ اور فدیہ نہ قبول ہوگا کوئی عوض اور معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا بلکہ اُس آگ کے عذابوں میں ڈالا جائیگا جو اونچے اونچے اور تیز تیز شعلے پھینکنے والی سخت بھڑکنے والی ہے جو سر کی کھال تک جھلسا کر کھینچ لاتی ہے، بدن کی کھال دور کر دیتی ہے اور کھوپڑی پلپلی کر دیتی ہے، ہڈیوں کو گوشت سے الگ کر دیتی ہے، رگ پٹھے کھچنے لگتے ہیں، ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگتے ہیں، پنڈلیاں کٹی جاتی ہیں، چہرہ بگڑ جاتا ہے، ہر ہر عضو بگڑ جاتا ہے، چیخ پکار کرتا رہتا ہے، ہڈیوں کا چورا کرتی رہتی ہے کھالیں جلاتی جاتی ہے۔ یہ آگ اپنی فصیح زبان اور اونچی آواز سے اپنے والوں کو جنہوں نے دنیا میں بدکاریاں اور خدا کی نافرمانیاں کی تھیں پکارتی ہے، پھر جس طرح پرند جانور دانہ چگتا ہے، اسی طرح میدانِ محشر میں سے ایسے بدکردار لوگوں کو ایک ایک کر کے دیکھ بھال کر چُن لیتی ہے۔ اب ان کی بداعمالیاں بیان ہوتی ہیں کہ یہ دل سے جھٹلانے والے اور بدن سے عمل چھوڑ دینے والے تھے، یہ مال کو جمع کرنے والے اور سربلند کر کے رکھ چھوڑنے والے تھے اللہ تعالیٰ کے ضروری احکام میں بھی مال خرچ کرنے سے گریز کرتے تھے بلکہ زکوٰۃ تک ادا نہ کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سمیٹ سمیٹ کر سینت سینت کر نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے روک لے گا۔ حضرت عبداللہ بن عکیمؒ تو اس آیت پر عمل کرتے ہوئے کبھی تھیلی کا منہ ہی نہ باندھتے تھے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم اللہ تعالیٰ کی وعید سُن رہا ہے پھر بھی مال سمیٹتا جا رہا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ مال کو جمع کرنے میں حلال حرام کا پاس نہ رکھتا تھا اور فرمانِ خدا ہوتے ہوئے بھی خرچ کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝١٩ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝٢٠ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝٢١

انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے (یعنی) جب اسکو تکلیف پہنچتی ہے تو (حد اباحت سے زیادہ) جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اسکو فارغ البالی ہوتی ہے تو (حقوق ضروریہ سے) بخل

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝٢٢ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝٢٣ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ

کرنے لگتا ہے مگر وہ نمازی (یعنی مومن) جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں اور جن کے مالوں میں سوالی اور بے سوالی سب کا

مَّعْلُومٌ ۝٢٤ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝٢٥ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝٢٦ وَالَّذِينَ هُمْ

حق ہے اور جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اپنے

مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ

پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں (اور) واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں (یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے) اور جو

هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ

اپنی شرمگاہوں کو (حرام سے) محفوظ رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ اُن پر (اس میں)

مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ

کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی)

لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ

امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں اور جو اپنی

هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع ۱

(فرض) نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (بس) ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہوں گے

انسان کی جلد بازی

یہاں انسانی جبلّت کی کمزوری بیان ہو رہی ہے کہ بڑا ہی بے صبرا ہے، مصیبت کے وقت تو گھبراہٹ[۱] اور پریشانی کی وجہ سے دیوانہ ہو جاتا ہے گویا دل اُڑ گیا اور گویا اب کوئی آس باقی نہیں رہی، اور راحت کے وقت بخیل کنجوس بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا حق بھی نہیں دیتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بدترین چیز انسان میں بخل اور اعلیٰ درجہ کی کنجوسی ہے (ابوداؤد) پھر فرمایا کہ ہاں اس مذموم خصلت سے وہ لوگ دور ہیں جن پر خاص فضلِ الٰہی ہے اور جنہیں توفیقِ خیر ازل سے مل چکی ہے جن کی صفتیں یہ ہیں کہ وہ پورے نمازی ہیں، وقتوں کی نگہبانی کرنے والے واجبات نماز کو اچھی طرح بجالانے والے سکون اطمینان اور خشوع خضوع سے پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے والے ہیں جیسے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ الخ ان ایمان داروں نے نجات پائی جو اپنی نماز خوفِ خدا سے ادا کرتے ہیں، ٹھیرے ہوئے بے حرکت کے پانی کو بھی عرب مَآءٌ دَآئِمٌ کہتے ہیں **ف** اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں اطمینان واجب[۲] ہے، جو شخص اپنے رکوع سجدے پوری طرح ٹھیر کر با اطمینان ادا نہیں کرتا وہ اپنی نماز پر دائم نہیں کیونکہ نہ وہ سکون کرتا ہے نہ اطمینان بلکہ کوّے کی طرح ٹھونگیں مار لیتا ہے اس کی نماز اسے نجات نہیں دلوائیگی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر نیک عمل پر مداومت اور ہمیشگی کرنا ہے جیسے کہ نبی اللہ علیہ صلوٰۃ اللہ کا فرمان ہے کہ خدا کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے جس پر مداومت کیجائے گو کم ہو، خود حضور علیہ السلام کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ جس کام کو کرتے اُس پر مداومت فرماتے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ حضرت دانیال پیغمبر علیہ السلام نے اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایسی نماز پڑھے گی کہ اگر قومِ نوح ایسی نماز پڑھتی تو ڈوبتی نہیں اور قوم عاد کی اگر ایسی نماز ہوتی تو اُن پر بے برکتی کی ہوائیں نہ بھیجی جاتیں، اور اگر قومِ ثمود کی نماز ایسی ہوتی تو انہیں چیخ سے ہلاک نہ کیا جاتا[۳]، پس اے لوگو! نماز کو اچھی طرح پابندی سے پڑھا کرو۔ مؤمن کا یہ زیور اور اُس کا بہترین خلق ہے، پھر فرماتا ہے کہ ان کے مالوں میں حاجتمندوں کا بھی مقررہ حصہ ہے سائلؔ اور محرومؔ کی پوری تفسیر سورۂ ذاریات میں گذر چکی ہے۔ یہ لوگ حساب اور جزا کے دن پر بھی یقین کامل اور پورا پورا

---

[۲] لیکن اس کے ترک سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا تاہم احادیث میں بے رغبتی اور بے التفاتی سے نماز پڑھنے پر شدید وعید آئی ہے۔

[۳] روایت غالباً واعظانہ ہے جس میں اصلیت کم اور ترغیب و ترہیب کا مضمون زیادہ ہوتا ہے۔

ایمان رکھتے ہیں اسی وجہ سے وہ اعمال کرتے ہیں جن سے ثواب پائیں اور عذاب سے چھوٹیں پھر اُن کی صفت بیان ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے اور خوف کھانے والے ہیں جس عذاب سے کوئی عقلمند انسان بے خوف نہیں رہ سکتا۔ ہاں جسے خدا امن دے۔ اور یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کو حرام کاری سے روکتے ہیں جہاں خدا کی اجازت نہیں اُس جگہ سے بچاتے ہیں، ہاں اپنی بیویوں اور اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں سو اس میں ان پر کوئی ملامت اور اعتراض نہیں لیکن جو شخص ان کے علاوہ اور جگہ یا کسی اور طرح اپنی شہوت رانی کرے[ع۱] وہ یقیناً حدودِ خدا سے تجاوز کرنے والا ہے۔ ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں گذر چکی ہے یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ امانت کے ادا کرنے والے، وعدوں قول اور قرار کو پورا کرنے والے اور اچھی طرح نباہنے والے ہیں نہ خیانت کرتے ہیں نہ بدعہدی اور وعدہ شکنی کرتے ہیں یہ سب صفتیں مؤمنوں کی ہیں اور ان کے خلاف عمل کرنے والا منافق ہے، جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین خصلتیں ہیں، جب[۱] کبھی بات کرے تو جھوٹ بولے، جب[۲] کبھی وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب[۳] امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے اور ایک روایت میں ہے کہ جب کبھی عہد کرے تو اسے توڑ دے اور جب جھگڑے تو گالیاں دے۔ یہ اپنی شہادتوں کی بھی حفاظت کرنے والے ہیں، یعنی نہ اس میں کمی کرتے ہیں نہ زیادتی نہ شہادت دینے سے بھاگتے ہیں نہ اسے چھپاتے ہیں، جو چھپائے تو وہ دل کا گنہگار ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ اپنی نماز کی پوری حفاظت کرتے ہیں، یعنی وقت پر ارکان اور واجبات اور مستحبات کو پوری طرح بجا لا کر نماز پڑھتے ہیں، یہاں یہ بات خاص توجہ کے لائق ہے کہ ان جنتیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شروع وصف بھی نماز کی ادائیگی کا بیان کیا اور ختم بھی اسی پر کیا اس سے معلوم ہوا کہ نماز امرِ دین میں عظیم الشان کام ہے اور سب سے زیادہ شرافت اور فضیلت والی چیز بھی یہی ہے اس کا ادا کرنا سخت ضروری اور اس کا بندوبست نہایت ہی تاکید والا ہے۔ سورۂ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں بھی ٹھیک اسی طرح بیان ہوا ہے اور وہاں اوصاف کے بعد بیان فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وارثِ فردوس ہیں اور یہاں فرمایا کہ یہی لوگ جنتی ہیں اور وہاں قسم قسم کی لذتوں اور خوشبوؤں سے عزت و اقبال کے ساتھ مسرور و محظوظ ہوں گے ۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۱﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۲﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ

توکافروں کو کیا ہوا کہ (ان مضامین کی تکذیب کرنے کے لئے) آپکی طرف کو داہنے اور بائیں سے جماعتیں بن بن کر دوڑے آرہے ہیں کیا ان میں ہر شخص ا

امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳﴾ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ فَلَآ اُقْسِمُ

ہوس رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کر لیا جاوے گا یہ ہرگز نہ ہوگا ہم نے ان کو ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جسکی ان کو بھی خبر ہے پھر (دوسری طور

بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۵﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ

پر (وقوع قیامت کیلئے) میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ (دنیا ہی میں) ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں (یعنی پیدا کر دیں)

بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۷﴾

اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ۔

ع۱ مثلاً مشت زنی، جلق، لواطت وغیرہ ۔

يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ﴿٨﴾ خَاشِعَةً

جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہیں (اور) ان کی آنکھیں (مارے شرمندگی کے) نیچے کو جھکی

أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٩﴾ ع ۲ ۹ ۸

ہوں گی (اور) ان پر ذلّت چھائی ہوگی (یعنی) یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (جو کہ اب واقع ہوا)

قادر و توانا

اللہ تعالیٰ عزوجل اُن کافروں پر انکار کر رہا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں تھے خود آپ کو وہ دیکھ رہے تھے اور آپ جو ہدایت لیکر آئے وہ ان کے سامنے تھی اور یہ آپ کے کھلے معجزے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، پھر باوجود ان تمام باتوں کے وہ بھاگ جاتے تھے اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر دائیں بائیں کترا جاتے تھے یہ مضمون ایک اور جگہ ہے فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ الخ یہ نصیحت سے منہ پھیر کر اُن گدھوں کی طرح جو شیر سے بھاگ رہے ہوں کیوں بھاگ رہے ہیں؟ الخ یہاں بھی اسی طرح فرمایا ہے کہ ان کفار کو کیا ہوگیا ہے یہ نفرت کر کے کیوں تیرے پاس سے بھاگے جا رہے ہیں؟ کیوں دائیں بائیں سرکتے جاتے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ متفرق طور پر اختلاف کے ساتھ ادھر اُدھر ہو رہے ہیں، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے خواہش نفس پر عمل کرنے والوں کے حق میں یہی فرمایا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مخالف ہوتے ہیں اور آپس میں بھی مختلف ہوتے ہیں، ہاں کتاب اللہ کی مخالفت میں سب متفق ہوتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ سے بروایت عوفی مروی ہے کہ وہ ٹولیاں ہو کر بے پرواہی کے ساتھ تیرے دائیں بائیں ہو کر تجھے مذاق سے گھورتے ہیں، حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ یعنی دائیں بائیں الگ ہو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے کیا کہا؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ دائیں بائیں ٹولیاں ٹولیاں ہو کر حضورؐ کے ارد گرد پھرتے رہتے ہیں، نہ کتاب اللہ کی تمنا ہے نہ رسول اللہؐ کی رغبت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس تشریف لائے اور وہ متفرق طور پر حلقے حلقے تھے تو آپ نے فرمایا میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی صورت میں کیسے دیکھ رہا ہوں؟ (احمد) ابن جریر میں اور سند سے بھی منقول ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ کیا ان کی آرزو ہے کہ جنت نعیم میں داخل کئے جائیں؟ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ یعنی جب ان کی حالت یہ ہے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہؐ سے دائیں بائیں کترا جاتے ہیں۔ پھر ان کی یہ تمنا پوری نہیں ہو سکتی بلکہ یہ جہنمی گروہ ہے۔ اب جس چیز کو یہ محال جانتے تھے اُس کا بہترین ثبوت ان ہی کی معلومات اور اقرار سے بیان ہو رہا ہے کہ جس نے تمہیں ضعیف پانی سے پیدا کیا ہے جیسے کہ خود تمہیں بھی معلوم ہے پھر کیا وہ تمہیں دوبارہ نہیں پیدا کر سکتا جیسے اور جگہ ہے أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ ارشاد ہے فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ الخ انسان کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اُچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے نکلتا ہے۔ یقیناً وہ خدا جس نے اس کو پیدا کیا اس کے لوٹانے پر قادر ہے جس دن پوشیدگیاں کھل پڑیں گی اور کوئی طاقت نہ ہوگی، نہ مددگار۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے مجھے قسم ہے اُسکی جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور مشرق مغرب متعین کی اور ستاروں کے چھپنے اور ظاہر ہونے کی جگہیں مقرر کر دیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے کافرو! جیسا تمہارا گمان ہے ویسا معاملہ نہیں کہ نہ حساب کتاب ہوگا نہ حشر نشر ہوگا بلکہ یہ سب یقیناً ہونے والی چیزیں ہیں اسی لئے قسم سے پہلے ان کے باطل خیال کی تکذیب کی اور اسے اس طرح ثابت کیا کہ اپنی قدرتِ کاملہ کے مختلف نمونے اُن کے سامنے پیش کئے مثلاً آسمان و زمین کی ابتدائی پیدائش اور ان میں حیوانات اور جمادات اور مختلف قسم کی مخلوق کی موجودگی جیسے اور جگہ ہے لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ یعنی آسمان و زمین کا ..... پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو چھوٹی چھوٹی چیزوں کی پیدائش پر کیوں قادر نہ ہوگا جیسے اور جگہ ہے أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ

اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِ َۧ الْمَوْتٰی بَلٰۤی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش میں عاجز نہ ہوا، کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک وہ قادر ہے اور ایک اسی پر کیا ہر ہر چیز پر اُسے قدرت حاصل ہے، اور جگہ ارشاد ہے اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ الخ یعنی کیا زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ان جیسا پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ ہاں ہے اور وہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے وہ جس چیز کا ارادہ کرے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ اسی وقت ہو جاتی ہے، یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم ہم ان کے ان جسموں کو جیسے یہ ابھی ہیں اس سے بہتر صورت میں بدل ڈالنے پر پورے پورے قادر ہیں، کوئی چیز کوئی شخص اور کوئی کام ہمیں عاجز اور درماندہ نہیں کر سکتا، جیسا کہ ارشاد ہے اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ الخ کیا کسی شخص کا یہ گمان ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں نہ جمع کر سکیں گے؟ غلط گمان ہے بلکہ ہم تو اس کی پور پور جمع کر کے ٹھیک ٹھاک بنا دیں گے، اور جگہ فرمایا نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَكُمُ الْمَوْتَ الخ ہم نے تمہارے درمیان موت مقرر کر دی ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تم جیسوں کو بدل ڈالیں اور تمہیں اس نئی پیدائش میں پیدا کریں جسے تم جانتے بھی نہیں، پس ایک مطلب تو آیت مندرجہ بالا کا یہ ہے، دوسرا مطلب امام ابن جریرؒ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ہم اس امر پر قادر ہیں کہ تمہارے بدلے ایسے لوگ پیدا کر دیں جو ہمارے مطیع اور فرمانبردار ہوں اور ہماری نافرمانیوں سے رُکے رہنے والے ہوں، جیسے اور جگہ ہے وَاِنْ تَتَوَلَّوْا الخ یعنی اگر تم نے منہ موڑا تو خدا تعالیٰ تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا اور وہ تم جیسی نہ ہوگی، لیکن پہلا مطلب دوسری آیتوں کی صاف دلالت کی وجہ سے زیادہ ظاہر ہے واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم۔ پھر فرماتا ہے اے نبیؐ! انہیں ان کے جھٹلانے اور کفر کرنے اور سرکشی میں بڑھنے ہی میں چھوڑ دو، جس کا وبال ان پر اس دن آئے گا جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے، جس دن خداوند تعالیٰ انہیں بلائے گا اور میدان محشر کی طرف جہاں انہیں حساب کے لئے کھڑا کیا جائیگا اس طرح لپکتے ہوئے جائیں گے جس طرح دنیا میں کسی بت یا علم کو یا تھان اور چلے کو چھونے اور ڈنڈوت کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے جاتے ہیں، مارے شرم و ندامت کے نگاہیں زمین پر گڑی ہوئی ہوں گی اور چہروں پر پھٹکار برس رہی ہوگی یہ ہے دنیا میں خدا کی اطاعت سے سرکشی کرنے کا نتیجہ! اور یہ ہے وہ دن جس کے ہونے کو آج محال جانتے ہیں، اور ہنسی مذاق میں نبیؐ کی اور شریعت کی اور کلام خدا کی حقارت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیامت کیوں قائم نہیں ہوتی؟ ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ الحمد للہ سورۂ معارج کی تفسیر بھی ختم ہوئی

تفسیر سُورۂ نوحؑ مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖۤ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ عَذَابٌ

ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا تھا کہ تم اپنی قوم کو ڈرا دو (کہ ڈراؤ) قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب

أَلِيمٌ ① قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ② أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ③ يَغْفِرْ لَكُم

(عذاب) دردناک آئے انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم میں تم کو صاف صاف ڈرانے والا ہوں یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو

مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ④

ڈرو اور میرا کہنا مانو وہ تمہارے گناہ معاف کردیگا اور تم کو وقت مقرر (یعنی وقت موت) تک (بلا عذاب) مہلت دیگا جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت (موت) آجاتا ہے تو ٹلتا نہیں

خدا کا مقدس انسان پیغام خلائق میں

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ عذاب کے آنے سے پہلے اپنی قوم کو ہوشیار کر دو اگر وہ توبہ کریں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے لگیں گے تو عذاب خدا ان سے اُٹھ جائیں گے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ پیغام اپنی اُمت کو پہنچا دیا اور صاف کہہ دیا کہ دیکھو میں کھلے لفظوں میں آگاہ کئے دیتا ہوں، میں صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی عبادت اُس کا ڈر اور میری اطاعت لازمی چیزیں ہیں جو کام تمہارے رب نے تم پر حرام کئے ہیں ان سے بچو گناہ کے کاموں سے الگ رہو۔ جو کچھ میں کہوں بجا لاؤ جس سے روکوں رک جاؤ، میری رسالت کی تصدیق کرو تو خدا تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ میں لفظ مِنْ یہاں زائد ہے اثبات کے موقع پر بھی کبھی لفظ مِنْ زائد آجاتا ہے، جیسے عرب کے مقولے قَدْ كَانَ مِنْ مَطَرٍ میں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عَنْ کے معنی میں ہو بلکہ ابن جریرؒ تو اسی کو پسند فرماتے ہیں ایک قول یہ بھی ہے کہ مِنْ تبعیض کے لئے ہے یعنی تمہارے بڑے گناہ معاف فرما دیگا یعنی وہ گناہ جن پر سزا کا وعدہ ہے اور بڑے بڑے گناہ ہیں اگر تم نے یہ تینوں کام کئے تو وہ معاف ہو جائیں گے اور جن عذابوں سے وہ تمہیں اب تمہاری ان خطاؤں اور غلط کاریوں کی وجہ سے برباد کرنے والا ہو اس عذاب کو ہٹا دے گا اور تمہاری عمریں بڑھا دے گا۔ اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ اطاعت خدا اور نیکی سلوک اور صلہ رحمی سے حقیقتاً عمر بڑھ جاتی ہے۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ صلہ رحمی عمر بڑھاتی ہے، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ نیک اعمال اس سے پہلے کر لو کہ خدا کا عذاب آجائے اس لئے کہ جب وہ آجاتا ہے پھر نہ اُسے کوئی ہٹا سکتا ہے اور نہ روک سکتا ہے اُس خدائے اعظم و اکبر کی بڑائی نے ہر چیز کو پست کر رکھا ہے اُس کی عزت و عظمت کے سامنے تمام مخلوق پست ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّى دَعَوْتُ قَوْمِى لَيْلًا وَنَهَارًا ⑤ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىٓ إِلَّا فِرَارًا ⑥

(جب وہ نہ مانے اور نیک النصائح کا کچھ اثر قوم پر نہ ہوا تو) نوحؑ نے (حق تعالیٰ سے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی اور دن کو بھی

وَإِنِّى كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوٓا۟ أَصَٰبِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِمْ وَٱسْتَغْشَوْا۟ ثِيَابَهُمْ

دین حق کی طرف بلایا (اور) سو میرے بلانے پر (دین سے) اور زیادہ بھاگتے رہے اور (وہ بھی اتنا نہ ہوا کہ) یعنی جب کبھی انکو (دین حق کی طرف) بلایا تاکہ (وہ ان کے ایمان کے سبب) اُن

وَأَصَرُّوا۟ وَٱسْتَكْبَرُوا۟ ٱسْتِكْبَارًا ⑦ ثُمَّ إِنِّى دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧ ثُمَّ إِنِّىٓ أَعْلَنتُ لَهُمْ

انکو بخش دے تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں تاکہ حق بات کو سنیں ہی نہیں) اور (نیز زیادتی کراہت سے) اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹ لئے اور اصرار کیا اور

سے نبی کی اطاعت خدا تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے اس کی اطاعت سے جدا اور علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ نبی وہی کہیں گے جو خدا تعالیٰ کا پسندیدہ اور اس کا منتخب ہو۔

سے یعنی تقدیر میں لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اس کی عمر اتنی زیادہ اس کی نیکیوں کی وجہ سے ہوگی گویا کہ تقدیر سے باہر کوئی چیز نہیں۔

وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿۹﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ يُّرْسِلِ

اور پوشیدہ بھی غایت درجہ کا تکرار کیا۔ پھر (بھی) میں نے ان کو باآواز بلند بلایا۔ پھر میں نے ان کو (خطاب خاص کے طور پر) علانیہ بھی سمجھایا اور ان کو بالکل خفیہ بھی سمجھایا

السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ

(اور اسی سمجھاتے ہیں) میں نے (ان کو یہ) کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ، بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں

يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ

ترقی دیگا اور تمہارے لئے باغ لگادیگا اور تمہارے لئے نہریں بہادیگا (میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ) تمکو کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو (ورنہ شرک نہ کرتے)

اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ

حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے اور ان میں چاند کو نور

فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ

(کی چیز) بنایا اور سورج کو (مثل) چراغ (روشن کے) بنایا اور اللہ نے تم کو زمین سے ایک خاص طور پر پیدا کیا۔ پھر تمکو (بعد مرگ) زمین ہی میں

ع ۱ ۲۰ ۹ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

لیجائیگا اور (قیامت میں) پھر اسی زمین ہی سے تم کو باہر لے آویگا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو (مثل) فرش (کے) بنایا تاکہ تم اس کے کھلے رستوں میں چلو

ایک ہزار سالہ مسلسل تبلیغ

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ ساڑھے نو سو سال تک کی لمبی مدت میں کس کس طرح حضرت نوح نے اپنی قوم کو رشد و ہدایت کی طرف بلایا، قوم نے کس طرح اعراض کیا اور کیا کیا تکلیفیں خدا کے اس برگزیدہ پیغمبر کو پہنچائیں اور اپنی ضد پر اڑے رہے، حضرت نوح علیہ السلام بطور شکایت کے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ خدایا میں نے تیرے حکم کی پوری طرح سے تعمیل کی، تیرے فرمان عالیشان کے مطابق نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات بلکہ ہر وقت انہیں راہ راست کی دعوت دیتا رہا لیکن اسے کیا کروں کہ جنہیں دل سوزی سے میں انہیں نیکی کی طرف بلاتا رہا وہ اسی قدر مجھ سے بھاگتے رہے حق سے رو گردانی کرتے رہے، یہاں تک ہوا کہ میں نے ان سے کہا کہ آؤ رب کی سنو تاکہ رب بھی تمہیں بخشے لیکن انہوں نے میرے ان الفاظ کا سننا بھی گوارا نہ کیا۔ کان بند کر لئے، یہی حال کفار قریش کا تھا کلام اللہ کو سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے، جیسے ارشاد ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ یعنی کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور جب یہ پڑھا جاتا ہو تو شور و غل کرو تاکہ تم غالب رہو۔ قوم نوح نے جہاں اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالیں وہاں اپنے منہ بھی کپڑوں سے چھپا لئے تاکہ وہ پہچانے بھی نہ جائیں اور نہ کچھ سنیں، اپنے شرک و کفر پر ضد کے ساتھ مصر ہو گئے اور اتباع حق سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس سے بے پرواہی کی اور اسے حقیر جان کر تکبر سے پشت پھیر لی، حضرت نوح فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کے مجمع میں بھی میں نے انہیں کہا سنا با آواز بلند بھی، ان کے کان کھول دیے اور بسا اوقات ایک ایک کو چپکے چپکے بھی سمجھایا، غرض کہ تمام طریقے اختیار کر لئے کہ یوں نہیں یوں سمجھ جائیں اور یوں نہیں تو یوں راہ راست پر آجائیں، میں نے ان سے کہا کہ کم از کم تم اپنی بدکاریوں سے توبہ ہی کر لو وہ غفار ہے ہر جھکنے والے کی طرف توجہ فرماتا ہے اور خواہ اس سے کیسے ہی بد تر سے بدتر اعمال سرزد ہوئے ہوں ایک آن میں معاف فرما دیتا ہے اور یہی نہیں بلکہ

دنیا میں بھی وہ تمہیں تمہارے استغفار کی وجہ سے طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیگا۔ اور دکھ درد سے بچالے گا وہ تم پر خوب موسلا دھار بارش برسائیگا **ف** یہ یاد رہے کہ قحط سالی کے موقع پر جب نماز استسقاء کے لئے مسلمان نکلیں تو مستحب ہے کہ اس نماز میں اس سورت کو پڑھیں اس کی ایک دلیل تو یہی آیت ہے دوسرے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل بھی یہی ہے آپ سے نقل ہے کہ بارش مانگنے کے لئے جب آپ نکلے تو منبر پر چڑھ کر آپ نے خوب استغفار کیا اور استغفار والی آیتوں کی تلاوت کی جن میں ایک آیت یہ بھی تھی پھر فرمانے لگے کہ بارش کو میں نے بارش کی تمام راہوں سے جو آسمان میں ہیں طلب کر لیا ہے یعنی وہ احکام ادا کئے ہیں جن سے خدا بارش نازل فرمایا کرتا ہے۔ حضرت نوح فرماتے ہیں کہ اے میری قوم کے لوگو! اگر تم استغفار کرو گے تو بارش کے ساتھ ہی ساتھ رزق کی برکت بھی تمہیں ملے گی۔ زمین و آسمان کی برکتوں سے تم مالا مال ہو جاؤ گے کھیتیاں خوب ہوں گی جانوروں کے تھن دودھ سے پر رہیں گے، مال و اولاد میں ترقی ہوگی قسم قسم کے پھلوں سے لدے پھندے باغات تمہیں نصیب ہوں گے دریا ہر طرف صاف اور بابرکت پانی کی ریل پیل ہوگی ہر طرف نہریں اور دریا جاری ہو جائیں گے۔ اس طرح رغبتیں دلا کر پھر دوا خوف دہ بھی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم خدا کی عظمت کے قائل کیوں نہیں ہوتے؟ اس کے عذاب سے بے باک کیوں ہو گئے ہو؟ دیکھتے نہیں کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں کن کن حالات میں کس کس لوٹ پھیر کے ساتھ پیدا کیا ہے؟ پہلے پانی کی بوند پھر جما ہوا خون پھر گوشت کا لوتھڑا پھر اور صورت پھر اور حالت وغیرہ۔ اسی طرح دیکھو کہ اس نے ایک پر ایک اس طرح آسمان پیدا کئے خواہ وہ صرف سننے ہی سے معلوم ہوئے ہوں یا ان وجوہ سے معلوم ہوئے ہوں جو محسوس ہیں جو ستاروں کی چال اور ان کے کسوف (گہن) سے سمجھی جا سکتی ہیں، جیسے کہ اس علم والوں کا بیان ہے گو اس میں بھی ان کا سخت اختلاف ہے کہ کواکب چلنے پھرنے والے بڑے بڑے سات ہیں ایک ایک کو دوسرا نور دیتا ہے سب سے قریب آسمان دنیا میں تو چاند ہے جو دوسروں کو ماند کئے ہوئے ہے اور دوسرے آسمان پر عطارد ہے تیسرے آسمان میں زہرہ ہے چوتھے آسمان میں سورج ہے، پانچویں آسمان میں مریخ ہے۔ چھٹے آسمان میں مشتری ہے، ساتویں آسمان میں زحل ہے اور باقی کواکب جو ثوابت ہیں وہ آٹھویں آسمان میں ہیں جس کا نام یہ لوگ فلک ثوابت رکھتے ہیں، اور ان میں سے جو شرع والے ہیں وہ اسے کرسی کہتے ہیں، اور نواں فلک ان کے نزدیک اطلس اور اثیر ہے جس کی حرکت ان کے خیال میں اور افلاک کی حرکت کے خلاف ہے اس لئے کہ دراصل اسی کی حرکت اور حرکتوں کا مبدا ہے وہ مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتا ہے اور باقی سب آسمان مشرق سے مغرب کی جانب اور انہی کے ساتھ کواکب بھی گھومتے پھرتے رہتے ہیں، لیکن سیاروں کی حرکت افلاک کی حرکت کے بالکل برعکس ہے وہ سب مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتے ہیں اور ان میں کا ہر ایک اپنے آسمان کا چکر خدا تعالیٰ کی تعیین کے مطابق کرتا ہے چاند تو ہر ماہ میں ایک بار، سورج ہر سال میں ایک بار، زحل ہر تیس سال میں ایک مرتبہ، مدت کی یہ کمی بیشی باعتبار آسمان کی لمبائی چوڑائی کے ہے ورنہ سب کی حرکت سرعت میں بالکل مناسبت رکھتی ہے یہ ہے خلاصہ ان کی تمام تر باتوں کا جس میں ان میں آپس میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے نہ ہم اسے یہاں ذکر کرنا چاہتے ہیں نہ اس کی تحقیق و تفتیش سے اس وقت کوئی غرض ہے، مقصود صرف اس قدر ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سات آسمان بنائے نیچے اوپر اور وہ اوپر تلے ہیں۔ پھر ان میں سورج چاند کو پیدا کیا ہے۔ دونوں کی چمک دمک اور روشنی اور اجالا الگ الگ ہے جس سے رات دن کی تمیز ہو جاتی ہے، پھر چاند کی مقررہ منزلیں اور برج ہیں، پھر اس کی روشنی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ بالکل چھپ جاتا ہے اور ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ اپنی پوری روشنی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے مہینے اور سال معلوم ہوتے ہیں، جیسے فرمان ہے۔ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً الخ خدا وہ ہے جس نے سورج چاند خوب روشن اور چمکدار بنائے اور چاند کی منزلیں مقرر کر دیں تا کہ تمہیں

ف اس سے معلوم ہوا کہ اطاعت، عبادت، دنیا میں بھی راحت و آسودگی کا باعث ہوتی ہے لیکن یہ کوئی کلیہ نہیں جس کے خلاف ہو نہ ہو سکے خدا تعالیٰ کے مقبول اور برگزیدہ بندے دنیاوی زندگی میں سخت پریشانیاں اٹھاتے ہیں جیسے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام۔ اور کافر دنیا میں مزے اڑاتے ہیں بیچارے خدا تعالیٰ اپنی مصلحت و علم کے مطابق بندوں کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں ہمارا مشاہدہ ہے کہ خاصان خدا کو پریشانیوں میں قلبی اطمینان حاصل رہتا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی راحت نہیں۔

مسائل اور حساب معلوم ہو جائیں، ان کی پیدائش حق ہی کے ساتھ ہے۔ دلائل کے ساتھ قدرت خدا کے یہ نمونے بھی موجود ہیں، پھر فرمایا خدا تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اگایا ہے، اس تعبیر نے مضمون کو بہت لطیف کر دیا۔ پھر تمہیں مرنے کے بعد اسی میں لوٹائے جاؤ گے پھر قیامت کو اس سے نہیں نکلے گا، جیسے اول دفعہ پیدا کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنا دیا ہے اور وہ ہلتی جلتی نہیں اسلئے اس پر مضبوطی سے ٹکا دیئے، اسی زمین کے کشادہ راستوں پر تم چلتے پھرتے ہو، ادھر سے ادھر جاتے آتے ہو، غرض حضرت نوح علیہ السلام کی یہ ہے کہ عظمت خدا اور قدرت خدا کے نمونے اپنی قوم کے سامنے رکھ کر انہیں آمادہ کر رہے ہیں کہ جب آسمان کی برکتیں دینے والے ہر چیز کے پیدا کرنے والے عالیشان قدرت کے رکھنے والے رازق خالق خدا کا کیا تم پہچانتے بھی حق نہیں کہ تم اسی کی عبادت کرو، اسی کا نام لو اور اس کے کہنے سے اس کے سچے نبی کی راہ اختیار کرو؟ تمہیں تو یہ چاہیئے کہ صرف اسی کی عبادت کرو کسی اور کو معبود برحق نہ جانو اس جیسا اس کا شریک اس کا ساجھی اس کا مثیل کسی کو نہ جانو، اسے جورو بچوں سے، بیٹوں پوتوں سے، وزیر و مشیر سے، عدیل و نظیر سے، پاک مانو، اسی کو بلند و بالا اور عظیم و اعلیٰ جانو۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا

(اور یہ سب حکایت عرض کر کے) نوح (علیہ السلام) نے (یہ) کہا کہ اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے شخصوں کی پیروی کی کہ جن کے مال

وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا (٢) وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا

اور اولاد نے ان کو نقصان ہی زیادہ پہنچایا اور (انہوں نے جن کا اتباع کیا ہے انہوں نے) بڑی بڑی تدبیریں کیں اور جنہوں نے (ان سے) کہا کہ

وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (٣) وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا (٤)

تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ (بالخصوص) ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو چھوڑنا اور انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا...

قوم کی سرکشی اور خدا کے پیغمبر کے تاثرات

حضرت نوح نبی علیہ السلام نے اپنی گذشتہ شکایتوں کے ساتھ ہی جناب باری میں اپنی قوم کے لوگوں کی اس روش کو بھی بیان کیا کہ میری پکار کو جان کے لئے سراسر نفع بخش تھی انہوں نے کان تک نہ لگایا، ہاں اپنے مالداروں اور عیش پرستوں کی مان لی جو تیرے امر سے بالکل غافل تھے اور مال و اولاد کے پیچھے مست تھے، گو فی الواقع وہ مال و اولاد بھی ان کے لئے سراسر وبال جان تھا کیونکہ ان کی وجہ سے وہ پھولتے تھے، اور خدا کو بھولتے تھے اور زیادہ نقصان میں اترتے جاتے تھے، وَوَلَدُهُ کی دوسری قرأت وَوُلْدُهُ بھی ہے، ان رئیسوں نے جو مال و جاہ والے تھے ان سے بڑی مکاری کی، کُبَّارًا اور کُبَارًا دونوں معنے میں کبیر کے ہیں، یعنی بہت بڑا، قیامت کے دن بھی یہ لوگ یہی کہیں گے کہ تمہارا کام دن رات مکاری سے ہمیں کفر و شرک کا حکم کرنا تھا اور ان بڑوں نے ان چھوٹوں سے کہا کہ اپنے ان بتوں کو جنہیں تم پوجتے رہے ہو ہرگز نہ چھوڑنا، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قوم نوح کے بتوں کو کفار عرب نے لے لیا، دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب وَدّ کو پوجتے تھے، ہذیل قبیلہ سواع کا پرستار تھا، اور قبیلہ مراد پھر قبیلہ بنو غطیف جو صرف کے رہنے والے تھے یہ شہر سبا کے پاس، یغوث کی پوجا کرتا تھا، ہمدان قبیلہ یعوق کا پجاری تھا، آل ذی کلاع کا قبیلہ حمیر نسر بت کا ماننے والا تھا، یہ سب بت دراصل قوم نوح کے صالح بزرگ اور نیک لوگ تھے۔

[illegible] میں لکھا ہے کہ "وَدّ" مردانہ قوت، عشق و محبت کو تاکہ ایک اور سے مخصوص تھا، ... اس کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھتے تھے چنانچہ عبدود کا نام خاص طور پر اکثر کا ہوتا، سواع، حسن و جمال کی دیوی تھی اس کی تصویر بھی عورت کی شکل و صورت میں تیار کی گئی تھی۔ یغوث، یہ قوت جسمانی کا دیوتا تھا، شیر یا بیل کی شکل میں اس کا بت تیار کیا گیا تھا۔ یعوق، یہ تیز رفتاری کا دیوتا تھا، اس کی صورت گھوڑے کی شکل میں بنائی گئی تھی [illegible]

ان کے انتقال کے بعد شیطان نے اُس زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں میں اُن کی کوئی یادگار قائم کریں، چنانچہ انھوں نے وہاں نشان بنادیئے۔ اور ہر بزرگ کے نام پر انھیں مشہور کیا جب تک یہ لوگ زندہ رہے تب تک تو اُس جگہ کی پرستش نہ ہوئی، لیکن ان نشانات اور یادگار قائم کرنے والے لوگوں کے مرجانے کے بعد اور علم کے اُٹھ جانے کے بعد جو لوگ آئے بوجہ جہالت کے انھوں نے باقاعدہ اُن جگہوں کی اور اُن ناموں کی پوجاپاٹ شروع کر دی۔ حضرت عکرمہؒ، حضرت ضحاکؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت ابن اسحٰقؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت محمد بن قیسؒ فرماتے ہیں یہ بزرگ عابد اللہ والے اولیاء اللہ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے سچے تابع فرمان صالح لوگ تھے جن کی پیروی اور لوگ بھی کرتے تھے جب یہ فوت ہوگئے تو ان کے معتقدوں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو ہمیں عبادت میں خوب دلچسپی رہے گی اور شوقِ عبادت ان بزرگوں کی صورتیں دیکھ کر بڑھتا رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ جب یہ لوگ بھی ختم ہوگئے اور ان کی نسلیں آئیں تو شیطان نے انھیں یہ سمجھایا کہ تمہارے بڑے تو ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے اور انھیں سے بارش وغیرہ کی دعا مانگتے تھے، چنانچہ انھوں نے اب باقاعدہ ان بزرگوں کی تصویروں کی پرستش شروع کر دی، حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیث علیہ السلام کے قصے میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے چالیس بچے تھے، بیس لڑکے بیس لڑکیاں، ان میں سے جن کی بڑی عمریں ہوئیں اُن میں ہابیل، قابیل، صالح اور عبدالرحمٰن تھے جن کا پہلا نام عبدالحارث تھا اور ود تھا جنھیں شیث اور ہبۃ اللہ بھی کہا جاتا ہے، تمام بھائیوں نے سرداری انھی کو دے رکھی تھی، ان کی اولاد یہ چاروں تھے، یعنی سُواع، یغوث، یعوق اور نسر۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بیماری کے وقت ان کی اولاد ود، یغوث یعوق سُواع اور نسر تھی، ود ان سب میں بڑا اور سب سے نیک سلوک تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ رہے تھے اور لوگوں نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا آپ نے فارغ ہو کر فرمایا سنو وہ وہاں قتل کیا گیا جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی پرستش ہوئی، واقعہ یہ ہوا کہ ایک مومن اور ولی اللہ مسلمان جسے لوگ بہت چاہتے تھے اور بڑے معتقد تھے وہ مر گیا، یہ لوگ مجاور بن کر اُس کی قبر پر بیٹھ گئے اور رونا پیٹنا اور اسے یاد کرنا شروع کیا اور بڑے بے چین اور مصیبت زدہ ہو گئے۔ ابلیس لعین نے یہ دیکھ کر انسانی صورت میں ان کے پاس آکر ان سے کہا کہ اس بزرگ کی یادگار کیوں قائم نہیں کر لیتے؟ جو ہر وقت تمہارے سامنے رہے اور تم اُسے نہ بھولو، سب نے اس رائے کو پسند کیا ابلیس نے اس بزرگ کی تصویر بنا کر ان کے پاس کھڑی کر دی جسے دیکھ دیکھ کر یہ لوگ اُسے یاد کرتے تھے، اور اُس کی عبادت کے تذکرے رہتے تھے، جب وہ سب اس میں مشغول ہو گئے تو ابلیس نے کہا کہ تم سب کو یہاں آنا پڑتا ہے اس لئے یہ بہتر ہو گا کہ میں اس کی بہت سی تصویریں بنا دوں تم انھیں اپنے اپنے گھروں میں رکھ لو وہ اس پر بھی راضی ہوگئے اور یہ بھی ہوگیا، اب تک صرف یہ تصویریں اور یہ بُت بطورِ یادگار رکھے ہی تھے مگر ان کی دوسری پشت میں جا کر براہِ راست ان ہی کی عبادت ہونے لگی، اصل واقعہ سب فراموش کر گئے اور اپنے باپ دادوں کو بھی ان کی عبادت کرنے والا سمجھ کر خود بھی بُت پرستی میں مشغول ہوگئے ان کا نام ود تھا اور یہی وہ پہلا بُت ہے جس کی پوجا خدا کے سوا کی گئی، انھوں نے بہت مخلوق کو گمراہ کیا اُس وقت سے لے کر اب تک عرب عجم میں خدا کے سوا دوسروں کی پرستش شروع ہو گئی اور مخلوق خدا بہک گئی، چنانچہ خلیل اللہ علیہ السلام اپنی دعا میں عرض کرتے ہیں کہ اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی سے بچا خدایا! انھوں نے اکثر مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے حق میں بددعا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی سرکشی ضد اور عداوتِ حق خوب ملاحظہ فرما چکے تھے تو کہتے ہیں کہ خدایا انھیں گمراہی میں

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۵) نسر، مور، جیسے اور گیدھ جیسا کا دیوتا اس کی شکل، باز جانور کی طرح ڈھالی گئی تھی، آج ہندوستان میں انہیں شکلوں میں بت ہر جگہ بہ تعداد موجود ہیں۔ علامہ نعیمیں کھول کر پڑھیں اس واقعہ کو چار سے قبر پرست گمراہ ہو جاتی۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر خداتعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرات علماء مسلسل کوششیں دن بدن فاسد کی خلافت جاری نہ رہتیں تو یقیناً کم از کم ہندوستان میں بھی مسلمانوں کا گمراہ اس حد تک ہو جانا کچھ بعید نہ تھا۔ [illegible]

اور ڈھیٹ ہوئے ہیں جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کے لئے بددعا کی تھی کہ اے پروردگار ان کے مال تباہ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے انہیں ایمان لانا نصیب نہ ہو جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، چنانچہ نوحؑ کی دعا قبول ہوتی ہے اور قوم نوحؑ بسبب اپنی تکذیب کے غرق کر دی جاتی ہے۔

مِمَّا خَطِيٓـَٔـٰتِهِمْ أُغْرِقُوا۟ فَأُدْخِلُوا۟ نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا۟ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ أَنصَارًا ﴿۵﴾ وَقَالَ

(ان لوگوں کا انجام یہ ہوا کہ) اپنے انہی گناہوں کے سبب وہ غرق کیے گئے پھر (بعد غرق) دوزخ میں داخل کئے گئے اور خدا کے سوا ان کو کوئی حمایتی بھی میسر نہ ہوئے

نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى ٱلْأَرْضِ مِنَ ٱلْكَـٰفِرِينَ دَيَّارًا ﴿۶﴾ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ

اور نوح (علیہ السلام) نے (یہ بھی) کہا کہ اے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ (کیونکہ) اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو

يُضِلُّوا۟ عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوٓا۟ إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۷﴾ رَّبِّ ٱغْفِرْ لِى

آپ کے بندوں کو گمراہ ہی کریں گے اور (آگے بھی) ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی اے میرے رب مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو

وَلِوَٰلِدَىَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِىَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَ

مومن ہونے کی حالت میں میرے گھر داخل ہیں ان کو (یعنی اہل و عیال یا شرکاء زوجہ و کشتی) اور تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو

ع ۲ / ۸ / ۱۰ ٱلْمُؤْمِنَـٰتِ وَلَا تَزِدِ ٱلظَّـٰلِمِينَ إِلَّا تَبَارًۢا ﴿۸﴾

بخش دیجئے اور ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھا دیجئے

خَطِيٓـَٔـٰتِهِمْ کی دوسری قرأت خَطَايَاهُمْ بھی ہے فرماتا ہے کہ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے یہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے ان کی سرکشی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی ان کی مخالفت و دشمنی رسولؑ حد سے گذر گئی تو انہیں پانی میں ڈبو دیا گیا اور یہاں سے آگ کے گڑھے میں دھکیل دیئے گئے، اور کوئی نہ کھڑا ہوا جو انہیں ان عذابوں سے بچا سکتا، جیسے فرمان ہے لَا عَاصِمَ ٱلْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ ٱللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ ۚ یعنی آج کے دن عذاب خدا سے کوئی نہیں بچا سکتا صرف وہی نجات پائیگا جس پر خدا رحم کرے، نوح نبی علیہ السلام ان بدنصیبوں کی اپنے قادر و ذوالجلال خدا کی ڈیوڑھی پر اپنا ماتھا رکھکر فریاد کرتے ہیں اور اُس مالک سے ان کی ہلاکت و عذاب نازل کرنے کی درخواست پیش کرتے ہیں کہ اب تو ان ناشکروں میں سے خدایا ایک کو بھی زمین پر چلتا پھرتا نہ چھوڑ، اور یہی ہوا بھی کہ سارے کے سارے غرقاب کر دیئے گئے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا سگا بیٹا جو باپ سے الگ رہا تھا وہ بھی نہ بچ سکا، سمجھا تو یہ تھا کہ پانی میرا کیا بگاڑے گا میں کسی بڑے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا لیکن وہ پانی نہ تھا عذاب الٰہی تھا وہ تو غضب خدا تھا وہ تو بددعائے نوحؑ تھا اُس سے بھلا کون بچا سکتا تھا؟ پانی اُسے وہیں جا لیتا ہے اور وہ اپنے باپ کے سامنے باتیں کرتا کرتا ڈوب مرتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(باقی حاشیہ ص ۴۶) اس وقت کی گئی تھی جب آپ کو وحی کے ذریعہ بتا دیا گیا تھا کہ آپ کی قوم ایمان نہیں لائے گی پھر حضرت نوحؑ کی نظر میں عضو فاسد قاصد کا جسم سے کاٹنا اور علیحدہ کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔

نے فرمایا اگر طوفان نوح میں بھی خداوند تعالیٰ کسی پر رحم کرتا تو اس کے لائق وہ عورت تھی جو پانی کو اُبلتے اور بڑھتے دیکھ کر اپنے بچے کو لے کر اُٹھ کھڑی ہوگئی تھی اور پہاڑ پر چڑھ گئی تھی۔ جب پانی وہاں بھی جا چڑھا تو بچے کو اٹھا کر اپنے مونڈھے پر بٹھا لیا، جب پانی وہاں بھی پہنچ گیا۔ تو اس کو سر پر چڑھا لیا، جب پانی سر تک جا چڑھا تو اپنے بچے کو ہاتھوں میں لیکر سر سے بلند اٹھا لیا، لیکن آخر پانی وہاں تک پہنچ گیا اور ماں بیٹا ڈوب گئے، پس اگر اس دن زمین کے کافروں میں سے کوئی بھی قابل رحم ہوتا تو یہ تھی مگر یہ بھی نہ بچ سکی نہ بچا سکی، یہ حدیث غریب ہے لیکن راوی اس کے سب ثقہ ہیں، الغرض روئے زمین کے کافر غرق کر دیئے گئے صرف وہ ایماندار ہستیاں باقی رہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ اُن کی کشتی میں تھیں اور بحکم خدا حضرت نوحؑ نے انھیں اپنے ساتھ اپنی کشتی میں سوار کر لیا تھا، چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو سخت تلخ اور دیرینہ تجربہ ہو چکا تھا اسلئے اپنی نا اُمیدی کو ظاہر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدایا میری چاہت ہے کہ ان تمام کفار کو برباد کر دیا جائے ان میں سے جو بھی باقی بچ رہیگا وہی دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے گا اور جو نسل اُس کی پھیلے گی وہ بھی اُسی جیسی بدکار اور کافر دل ہوگی، ساتھ ہی اپنے لئے بخشش طلب کرتے ہیں، اور عرض کرتے ہیں کہ اے میرے رب مجھے بخش، میرے والدین کو بخش اور ہر اُس شخص کو جو میرے گھر میں آ جائے اور ہو بھی وہ با ایمان، گھر سے مراد مسجد ... بھی لی گئی ہے، لیکن عام مراد یہی ہے، مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مومن ہی کے ساتھ اُٹھو بیٹھو رہو سہو اور صرف پرہیزگار ہی تیرا کھانا کھائیں، یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے، امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف اسی اسناد سے یہ حدیث معروف ہے، پھر اپنی دعا کو عام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام ایماندار مردوں اور عورتوں کو بھی بخش خواہ زندہ ہوں خواہ مردہ، اسی لئے مستحب ہے کہ ہر شخص اپنی دعا میں دوسرے مومنوں کو بھی شامل رکھے تاکہ حضرت نوح علیہ السلام کی اقتدا بھی ہو اور اُن حدیثوں پر بھی عمل ہو جائے جو اس بارے میں ہیں اور وہ دعائیں بھی آ جائیں جو منقول ہیں، پھر دعا کے خاتمہ پر کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ ان کافروں کو تو تباہی بربادی ہلاکت اور نقصان میں ہی بڑھاتا رہ، دنیا و آخرت میں وہ برباد ہی رہیں۔ الحمد للہ سورہ نوحؑ کی تفسیر بھی ختم ہوگئی

تفسیر سورہ جن مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ﴿١﴾ يَهْدِي

آپ (ان) لوگوں سے کہئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا پھر (اپنی قوم میں واپس جا کر) انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب

إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ﴿٢﴾ وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ﴿٣﴾

قرآن سنا ہے جو راہ راست بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے (اور اب) ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور (انہوں نے) یہ بھی بیان کیا کہ ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے اس

وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿٤﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ

اور ہم میں جو احمق ہوتے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے اور ہمارا (پہلے) یہ خیال تھا کہ انسان اور جنات کبھی خدا کی شان میں

وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿٥﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ

جھوٹ بات نہ کہیں گے ۔ اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے کہ وہ جنات میں سے بعض لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے ان

الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿٦﴾ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿٧﴾

آدمیوں نے ان جنات کی بد دماغی اور بڑھا دی ۔ اور جیسا تم نے خیال کر رکھا تھا ویسا ہی آدمیوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا

رسول الثقلین کی تبلیغی کوشش اور جنات کا قبول اسلام

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اپنی قوم کو اس واقعہ کی اطلاع دیجئے کہ جنوں نے قرآن کریم سنا اسے سچا مانا اس پر ایمان لائے اور اس کے مطیع بن گئے، تو فرماتا ہے کہ اے نبی! تم کہو کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے قرآن کریم سنا اور اپنی قوم میں جا کر خبر کی کہ آج ہم نے عجیب و غریب کتاب سنی جو سچا اور نجات کا راستہ بتلاتی ہے، ہم تو اسے مان چکے ناممکن ہے کہ اب ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کریں، یہی مضمون ان آیتوں میں گزر چکا ہے وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ الخ یعنی جب کہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف لوٹایا تاکہ وہ قرآن سنیں، اور اس کی تفسیر احادیث کی رو سے وہیں ہم بیان کر چکے ہیں یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں، پھر جنات اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ ہمارے رب کی قدرت اور اس کا امر بہت بلند و بالا اور ذی شان اور ذی عزت ہے اس کی نعمتیں قدرتیں اور مخلوق پر مہربانیاں بہت ہیں، اس کی جلالت و عظمت بلند پایہ ہے اس کا جلال و اکرام بہت بڑھا چڑھا ہوا ہے اس کا ذکر بلند رتبہ ہے اس کی شان اعلیٰ ہے ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی سے منقول ہے کہ جد کہتے ہیں باپ کو اگر جنات کو یہ علم ہوتا کہ انسانوں میں جد ہوتا ہے تو وہ خدا کی نسبت یہ لفظ نہ کہتے، یہ قول گو سنداً قوی ہے لیکن اس کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا ممکن ہے کہ اس کے کچھ اجزا چھوٹ گئے ہوں واللہ اعلم، پھر اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس سے پاک اور برتر ہے کہ اس کی بیوی ہو یا اس کی اولاد ہو، پھر کہتے ہیں کہ ہمارا بے وقوف یعنی شیطان خدا پر جھوٹ تہمت رکھتا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد اس سے عام ہو یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کی اولاد اور بیوی ثابت کرتا ہے بے عقل ہے جھوٹ بکتا ہے باطل عقیدہ رکھتا ہے اور ظالمانہ بات منہ سے نکالتا ہے پھر فرماتے ہیں کہ ہم تو اسی خیال میں تھے کہ جن و انس خدا پر جھوٹ نہیں باندھ سکتے لیکن قرآن سن کر معلوم ہوا کہ دونوں جماعتیں رب العالمین پر تہمت رکھتی تھیں دراصل خدا تعالیٰ کی ذات اس عیب سے پاک ہے، پھر کہتے ہیں کہ جنات کے زیادہ بہکنے کا سبب یہ ہوا کہ وہ دیکھتے تھے کہ جب کبھی انسان کسی جنگل یا ویرانے میں جاتے ہیں تو جنات کی پناہ طلب کیا کرتے ہیں جیسے کہ جاہلیت کے زمانے کے عرب کی عادت تھی کہ جب کبھی کسی پڑاؤ پر اترتے تو کہتے کہ اس جنگل کے بڑے جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اور سمجھتے تھے کہ ایسا کہہ لینے کے بعد تمام جنات کے شر سے ہم محفوظ ہو جاتے ہیں، جس طرح کسی شہر میں جاتے تو وہاں کے بڑے رئیس کی پناہ لیتے تاکہ شہر کے اور دشمن لوگ انہیں ایذا نہ پہنچائیں۔ جنوں نے جب یہ دیکھا کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتے ہیں تو ان کی سرکشی اور بڑھ گئی اور انہوں نے اور بری طرح انسانوں کو ستانا شروع کیا، اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جنات نے یہ حالت دیکھ کر انسانوں کو اور خوف زدہ کرنا شروع کیا اور انہیں طرح طرح سے ستانے لگے، دراصل جنات انسانوں سے ڈرا کرتے تھے جیسے کہ انسان جنوں سے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ جس جنگل بیابان میں انسان جا پہنچتا تھا تو وہاں سے جنات بھاگ کھڑے ہوتے تھے، لیکن جب سے اہل شرک نے خود ان سے پناہ مانگنی شروع کی اور کہنے لگے

اور اس وادی کے سردار جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اس سے کہ ہمیں یا ہماری اولاد و مال کو ضرر پہنچے اب جنوں نے سمجھا کہ یہ تو خود ہم سے ڈرتے ہیں
تو ان کی جرأت اور بڑھ گئی اور اب انھوں نے طرح طرح سے ڈرانا ستانا اور چھیڑنا شروع کر دیا وہ گناہ میں خوف میں اور طغیانی میں اور سرکشی
میں اور بڑھ گئے۔ کردم بن ابو سائب انصاری کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ مدینہ سے کسی کام کے لئے باہر نکلا، اس وقت حضورؐ کی بعثت
ہو چکی تھی اور مکہ شریف میں آپ بحیثیت پیغمبرؐ ظاہر ہو چکے تھے رات کے وقت ہم ایک چرواہے کے پاس جنگل میں ٹھیر گئے آدھی رات کے
وقت ایک بھیڑیا آیا اور بکری اٹھا کر لے بھاگا۔ چرواہا اس کے پیچھے دوڑا اور پکار کر کہنے لگا کہ اے اس جنگل کے آباد رکھنے والے تیری
پناہ میں آیا ہوا شخص لٹ گیا ساتھ ہی ایک آواز آئی حالانکہ کوئی شخص نظر نہ آتا تھا کہ اے بھیڑیئے اس بکری کو چھوڑ دے تھوڑی دیر میں ہم
نے دیکھا کہ وہی بکری بھاگی بھاگی آئی اور ریوڑ میں مل گئی اسے زخم بھی نہیں آیا تھا، یہی بیان اس آیت میں ہے کہ جو اللہ کے رسولؐ پر مکہ میں اتری
کہ بعض لوگ جنات کی پناہ مانگا کرتے تھے ایسا ممکن ہے کہ یہ بھیڑیا بن کر آنے والا بھی جن ہی ہو اور بکری کے بچے کو پکڑ لے گیا ہو اور چرواہے
کی استدعائی پر چھوڑ دیا ہو تاکہ چرواہے کو اور پھر اس کی بات سن کر اوروں کو اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ جنات کی پناہ میں آجانے سے
نقصانات سے محفوظ رہتے ہیں اور پھر اس عقیدے کے باعث وہ اور گمراہ ہوں اور خدا کے دین سے خارج ہو جائیں، واللہ اعلم۔ پھر یہ مسلمان
جن اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اے جنو! جس طرح تمہارا گمان تھا اسی طرح انسان بھی اسی خیال میں تھے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا (۸) وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ

اور ہم نے آسمان (کی خبروں) کی تلاشی (موافق عادات سابقہ کے) لینا چاہا سو ہم نے اس کو سخت پہرے (یعنی محافظ فرشتوں) اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا اور اس کے قبل ہم آسمان

مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (۹) وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ

(کی خبریں سننے) کے موقعوں میں (جا) سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے۔ سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے۔ اور ہم نہیں جانتے کہ

اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (۱۰)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث فرمانے سے اہل زمین (دنیا) کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا ان کے رب نے ان کو ہدایت کرنے کا قصد فرمایا ہے

جنات پر پابندیاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں پر جاتے کسی جگہ بیٹھتے اور کان لگا کر فرشتوں کی باتیں
سنتے اور پھر آ کر کاہنوں کو خبر دیتے تھے اور کاہن ان باتوں کو بہت کچھ بڑھا چڑھا کر اور ایک میں سو جھوٹ ملا کر
اپنے ماننے والوں سے کہتے اب جب حضورؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور آپؐ پر قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو آسمانوں پر زبردست پہرے
بٹھا دیئے گئے اور ان شیاطین کو پہلے کی طرح وہاں جا بیٹھنے اور باتیں اڑا لانے کا موقع نہ رہا تاکہ قرآن کریم اور کاہنوں کا کلام خلط ملط نہ ہو جائے
اور حق کے متلاشی کو دقت واقع نہ ہو، یہ مسلمان جنات اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ پہلے تو ہم آسمان پر جا بیٹھتے تھے مگر اب تو سخت
پہرے لگے ہوئے ہیں اور آگ کے شعلے تاک میں لگے ہوئے ہیں ایسے چھوٹ کر آتے ہیں کہ خطا ہی نہیں کرتے جلا جھلسا
دیتے ہیں، اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے حقیقی مراد کیا ہے؟ اہل زمین کی کوئی برائی چاہی گئی ہے یا ان کے ساتھ ان کے رب
کا ارادہ نیکی اور بھلائی کا ہے خیال کیجئے کہ یہ مسلمان جن کس قدر ادب داں تھے کہ برائی کی اسناد کے لئے کسی فاعل کا ذکر

ف۱ اور زیادہ صحیح یہ کہ شیطان ہو جو کہ بہ طور انسان کو گمراہ کرنے کے لئے اس طرح کی صورتیں اختیار کرتا ہے۔
ف۲ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ خدا کسی کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائیگا اور حساب کتاب نہیں ہوگا ۱۲ واللہ اعلم منہ ۱۲

نہیں کیا اور بھلائی کی اضافت خدا، تعالیٰ کی طرف کی اور کہا کہ دراصل آسمان کی اس حفاظت سے کیا مطلب ہے؟ اسے ہم نہیں جانتے، اسی طرح حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ خدایا تیری طرف سے شر اور بُرائی نہیں، ستارے اس سے پہلے بھی کبھی کبھی جھڑتے تھے لیکن اس کثرت سے ان کا آگ برسانا قرآنِ کریم کی حفاظت کے لئے ہوا تھا، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگہاں ایک ستارہ جھڑا اور بڑی روشنی ہو گئی تو آپؐ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ پہلے اسے جھڑتا دیکھ کر تم کیا کہا کرتے تھے ہم نے کہا حضورؐ ہمارا خیال تھا کہ یا تو یہ کسی بڑے کے تولد پر جھڑتا ہے یا کسی بڑے کی موت پر، آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جب کبھی کسی کام کا آسمان پر فیصلہ کرتا ہے الخ یہ حدیث پورے طور پر سورۂ سبا کی تفسیر میں گزر چکی ہے، دراصل ستاروں کا بکثرت گرنا جنات کا اُن سے ہلاک ہونا آسمان کی حفاظت کا ۔۔۔ بڑھ جانا ان کا آسمان کی خبروں سے محروم ہو جانا ہی اس امر کا باعث بنا کہ یہ نکل کھڑے ہوئے اور انھوں نے چاروں طرف تلاش شروع کر دی کہ کیا وجہ ہوئی جو ہمارا آسمانوں پر جانا موقوف ہو گیا، چنانچہ ان میں کی ایک جماعت کا گزر عرب میں ہوا اور یہاں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی نماز میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے سُنا اور سمجھ گئے کہ اس نبیؐ کی بعثت اور اس کلام کا تنزل ہی ہماری بندش کا سبب ہے، پس خوش نصیب سمجھدار جن تو مسلمان ہو گئے باقی اور جنات کو ایمان نصیب نہ ہوا، سورۂ احقاف کی آیت ‌وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ میں اس کا پورا بیان گزر چکا ہے، ستاروں کا جھڑنا، آسمان کا محفوظ ہو جانا، جنات ہی کے لئے نہیں بلکہ انسانوں کے لئے بھی ایک خوفناک علامت تھی وہ گھبرا رہے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے کیا نتیجہ ہو؟ اور عموماً انبیاء کی تشریف آوری اور دین اللہ کے اظہار کے وقت ایسا ہوتا بھی تھا حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ شیطان اس سے پہلے آسمانی بیٹھکوں میں بیٹھ کر فرشتوں کی آپس کی باتیں اُڑا لایا کرتے تھے جب حضورؐ پیغمبر بنائے گئے تو ایک رات ان شیاطین پر بڑی شعلہ باری ہوئی جسے دیکھ کر اہلِ طائف گھبرا گئے کہ شاید آسمان والے ہلاک ہو گئے، انھوں نے دیکھا کہ تابڑ توڑ ستارے ٹوٹ رہے ہیں شعلے اُڑ رہے ہیں اور دُور دُور تک تیزی کے ساتھ جا رہے ہیں اُنھوں نے غلام آزاد کرنے اپنے جانوروں کو راہِ للہ چھوڑنے شروع کر دیئے، آخر عبد یا لیل بن عمرو بن عمیر نے ان سے کہا کہ اے طائف والو! تم کیوں اپنا مال برباد کر رہے ہو؟ تم نجوم دیکھو اگر ستاروں کو اپنی اپنی جگہ پاؤ تو سمجھ لو کہ آسمان والے تباہ نہیں ہوئے بلکہ یہ سب کچھ انتظامات صرف ابن ابی کبشہ کے لئے ہو رہے ہیں۔ (اور اگر تم دیکھو کہ فی الحقیقت ستارے اپنی مقررہ جگہ پر نہیں ہیں تو بیشک اہلِ آسمان کو ہلاک شدہ مان لو، انھوں نے نجوم دیکھا تو ستارے سب اپنی اپنی مقررہ جگہ پر نظر آئے تب اُنھیں چین آیا شیاطین میں بھی بھاگ دوڑ مچ گئی، یہ ابلیس کے پاس آئے واقعہ کہہ سُنایا تو ابلیس نے کہا میرے پاس ہر ہر علاقے کی مٹی لاؤ تو مٹی لائی گئی اُس نے سونگھی اور سونگھ کر بتایا کہ اس کا باعث مکہ میں ہے، سات جنات نصیبین کے رہنے والے مکہ پہنچے یہاں حضور علیہ السلام مسجد حرام میں نماز پڑھا رہے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جسے سُن کر ان کے دل نرم ہو گئے، بہت ہی قریب ہو کر قرآن سُنا پھر اس کے اثر سے مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم کو بھی دعوت اسلام دی[1]۔ الحمد للہ ہم نے اس تمام واقعہ کو پورا پورا اپنی کتاب السیرت میں حضورؐ کی نبوت کے آغاز کے بیان میں لکھا ہے، واللہ اعلم؟

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۝ۙ11 وَّاَنَّا ظَنَنَّآ

اور ہم میں (پہلے بھی) بعضے نیک (ہوتے آئے) ہیں اور بعضے اور طرح کے (ہوتے آئے) ہیں ہم مختلف طریقوں پر تھے اور (ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ) ہم نے سمجھ لیا کہ

اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝ۙ12 وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا

ہم زمین کے کسی حصہ میں جا کر اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ (اور کہیں) بھاگ کر اس کو ہرا سکتے ہیں۔ اور ہم نے جب ہدایت کی بات سُن لی تو ہم تو اس کا

[1] قرآن مجید کے متن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب باتیں جنات حضورؐ سے کہہ رہے ہیں اپنی قوم سے نہیں، ہاں البتہ سورۂ احقاف میں جو جنوں کا ذکر ہے اس میں ان کے اپنی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دینے کا ذکر ہے، اس سے اگلا مضمون بھی ملاحظہ ہو، واللہ اعلم۔ مص ۱۲

الْهُدٰىٓ اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا

یقین کر لیا سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آویگا تو اس کو نہ کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا اور ہم میں بعضے

مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا

تو مسلمان ہو گئے ہیں اور بعضے ہم میں (بدستور سابق) بے راہ ہیں سو جو شخص مسلمان ہو گیا انہوں نے تو بھلائی کا رستہ

رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى

ڈھونڈ لیا اور جو بے راہ ہیں وہ دوزخ کا ایندھن ہیں اور (مجھ کو ان مضامین کی بھی وحی ہوئی ہے کہ) اگر یہ لوگ سیدھے رستہ پر

الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا

قائم ہو جاتے تو ہم ان کو فراغت کے پانی سے سیراب کرتے تاکہ اس میں ان کا امتحان کریں اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد (یعنی ایمان و اطاعت) سے روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں

مختلف فرقے

جنات اپنی قوم کا اختلاف بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم میں نیکوکار بھی ہیں اور بدکار بھی ہیں ہم مختلف راہوں پر لگے ہوئے تھے، حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ایک جن ہمارے پاس آیا کرتا تھا میں نے ایک مرتبہ اس سے پوچھا کہ تمام کھانوں میں سے تمہیں کونسا کھانا پسند ہے؟ اس نے کہا چاول، میں نے لا دیئے تو دیکھا کہ لقمہ برابر اٹھ رہا ہے لیکن کھانے والا کوئی نظر نہیں آتا میں نے پوچھا جو خواہشات ہم میں ہیں کیا وہ تم میں بھی ہیں؟ اس نے کہا ہاں ہیں، میں نے پھر پوچھا کہ رافضی تم میں کیسے گنے جاتے ہیں؟ اس نے کہا بدترین، حافظ ابوالحجاج مزی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عباس بن احمد دمشقی فرماتے ہیں کہ میں نے رات کے وقت ایک جن کو اشعار میں یہ کہتے سنا کہ "دل خدا کی محبت سے پُر ہو گئے ہیں، یہاں تک کہ مشرق و مغرب میں اس کی جڑیں جم گئی ہیں، اور وہ حیران و پریشان ادھر اُدھر خدا کی محبت میں پھر رہے ہیں جو ان کا رب ہے انہوں نے مخلوق سے تعلقات کاٹ کر اپنے تعلقات خدا سے وابستہ کر لئے ہیں" پھر کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہو چکا کہ خدا کی قدرت ہم پر حاکم ہے ہم اس سے نہ بھاگ کر بچ سکیں گے نہ کسی اور طرح اُسے عاجز کر سکیں گے، اب فخریہ کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت نامے کو سنتے ہی اُس پر ایمان لا چکے؛ فی الواقع ہے بھی یہ فخر کا مقام اس سے زیادہ شرف اور فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ رب کا کلام فوری اثر کرے، پھر کہتے ہیں کہ مومن کے نہ تو عمل نیک ضائع ہوں گے نہ اُس پر خواہ مخواہ کی برائیاں لادی جائیں گی، جیسے اور جگہ ہے فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا یعنی نیکوکار مومن کو ظلم و نقصان کا ڈر نہیں، پھر کہتے ہیں کہ ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض حق سے ہٹے ہوئے اور عدل کو چھوڑے ہوئے ہیں. مسلمان نجات کے متلاشی ہیں اور ظالم جہنم کی لکڑیاں اور ایندھن ہیں؛ اس کے بعد کی آیت وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا الخ کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ اگر تمام لوگ اسلام پر اور راہِ راست پر اور اطاعت خدا پر جم جاتے تو ہم اُن پر بکثرت بارشیں برساتے اور خوب وسعت سے روزیاں دیتے، جیسے اور جگہ ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ الخ یعنی اگر یہ تورات و انجیل اور آسمانی کتابوں پر سیدھے اُترتے تو انہیں آسمان و زمین سے روزیاں ملتیں، اور فرمان ہے۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ یعنی اگر بستی والے ایمان لاتے اور اس طرح متقی بن جاتے تو ہم اُن پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے، یہ اس لئے کہ ان کی پختہ جانچ ہو جائے کہ ہدایت پر کون جما رہتا ہے اور کون پھر سے گمراہی کی طرف لوٹ جاتا ہے؛ حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں اتری ہے جب کہ اُن پر سات سال کا قحط پڑا تھا، دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر یہ سب کے سب گمراہی پر جم جاتے تو اُن پر رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے تاکہ یہ خوب مست ہو جائیں اور خدا کو بھول جائیں، اور بدترین سزاؤں کے قابل ہو جائیں، جیسے فرمان باری ہے فَلَمَّا نَسُوْا الخ یعنی جب

وہ نصیحتیں بھلا بیٹھے تو ہم نے بھی اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے جس کی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ سے بالکل غافل ہو گئے۔ اور ناگہاں ہم نے انھیں پکڑ لیا اور پھر وہ مایوس ہو گئے، اسی طرح کی آیت اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ الخ بھی ہے، پھر فرماتا ہے کہ جو بھی اپنے رب کے ذکر سے بے پرواہی برتے گا اُس کا رب اُسے دردناک سخت اور مہلک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ صَعَدًا جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ جہنم کے ایک کنوئیں کا نام ہے!

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ

اور ان موحی شدہ مضامین میں سے ایک یہ ہے کہ جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہیں سو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو اور جب خدا کا خاص بندہ (مراد رسول اللہ صلی اللہ

١ ع١٩ ١١ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ

علیہ وسلم ہیں) خدا کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے تو یہ کافر لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں آپ (ان کو) یہ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور

اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ

اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے نہ کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر خدا نخواستہ میں ایسا کروں تو

اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ

مجھ کو خدا (کے غضب) سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اس کے سوا کوئی پناہ (کی جگہ) پا سکتا ہوں۔ لیکن خدا کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغاموں کا ادا کرنا یہ میرا کام ہے اور جو

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓي اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ

لوگ اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً ان لوگوں کے لئے آتش دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (لیکن یہ کفار اس جہالت کو باز نہ آئیں گے) یہاں تک کہ

فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو اس وقت جان لیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے

مساجد اور اُن کی تعمیر سے مقاصد

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اُس کی عبادت کی جگہوں کو شرک سے پاک رکھیں وہاں کسی دوسرے کا نام نہ پکاریں نہ کسی اور کو خدا کی عبادت و اطاعت میں شریک کریں، حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اپنے گرجوں اور کنیسوں میں جا کر خدا کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے تھے تو اس اُمت کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ نبیؐ بھی اور اُمت بھی سب توحید والے رہیں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت صرف مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام تھیں، حضرت اعمشؒ نے اس آیت کی تفسیر یہ بھی بیان کی ہے کہ جنات نے حضور علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ آپؐ کی مسجد میں اور انسانوں کے ساتھ نماز ادا کریں تو گویا اُن سے کہا جا رہا ہے کہ نماز پڑھو لیکن انسانوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ جنوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ ہم تو دور دراز رہتے ہیں نمازوں میں آپؐ کی مسجد میں کیسے پہنچ سکیں گے؟ تو انھیں کہا جاتا ہے کہ مقصود نماز کا ادا کرنا اور صرف خدا ہی کی عبادت بجا لانا ہے خواہ کہیں ہو، حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے اور تمام مساجد کو شامل ہے حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اعضائے سجدہ کے بارے میں

نازل ہوئی ہے یعنی جن اعضاء پر تم سجدہ کرتے ہو وہ سب اللہ ہی کے ہیں، پس تم ان اعضاء سے دوسرے کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے صحیح حدیث میں ہے کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے پیشانی اور ہاتھ کے اشارے سے ناک کو بھی اس میں شامل کر لیا اور دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے اور دونوں پنجے۔ آیت لَمَّا قَامَ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جنات نے جب حضورؐ کی زبانی تلاوتِ قرآن سنی تو اس طرح آگے بڑھ بڑھ کر جھکنے لگے کہ گویا ایک دوسرے کے سروں پر چڑھے چلے جاتے ہیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنات اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ حضورؐ کے اصحابؓ کی اطاعت کی حالت یہ ہے کہ جب حضورؐ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں اور آپؐ کے اصحابؓ پیچھے ہوتے ہیں تو برابر اطاعت واقتداء میں آخر تک مشغول رہتے ہیں گویا ایک حلقہ ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں خدا تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرتے ہیں تو کافر لوگ دانت چبا چبا کر الجھ جاتے ہیں، جنات وانسان مل جاتے ہیں کہ اس امر دین کو مٹا دیں اور اس کی روشنی کو چھپا دیں مگر خدا تعالیٰ کا ارادہ اس کے خلاف ہو چکا ہے، یہ تیسرا قول ہی زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ میں تو صرف اپنے رب کا نام پکارتا ہوں اور کسی اور کی عبادت نہیں کرتا، یعنی جب دعوتِ حق اور توحید کی آواز ان کے کان میں پڑی جو مدتوں سے غیر مانوس ہو چکی تھی تو ان کفار نے ایذا رسانی مخالفت اور تکذیب پر کمر باندھ لی اور حق کو مٹا دینا چاہا اور رسولؐ کی عداوت پر اجماع کر لیا اس وقت ان سے رسولؐ نے کہا کہ میں تو اپنے پالنے والے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت میں مشغول ہوں، میں اسی کی پناہ میں ہوں اسی پر میرا توکل ہے وہ ہی میرا سہارا ہے مجھ سے یہ توقع ہرگز نہ رکھو کہ میں کسی اور کے سامنے جھکوں یا اس کی پرستش کروں، میں تم جیسا انسان ہوں تمہارے نفع نقصان کا مالک میں نہیں ہوں میں تو خدا کا ایک غلام ہوں، اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں تمہاری ہدایت ضلالت کا مختار و مالک میں نہیں سب چیزیں خدا کے قبضے میں ہیں میں تو صرف پیغام رساں ہوں، اگر میں خود بھی خدا کی معصیت کروں تو خدا مجھے ضرور عذاب دیگا اور پھر کوئی مجھکو نہ بچا سکے گا، مجھے کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نظر ہی نہیں آتی، میری حیثیت صرف مبلغ اور رسول کی ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ اِلَّا کا استثنا لَا اَمْلِکُ سے ہے یعنی میں نفع نقصان ہدایت ضلالت کا مالک نہیں ہوں میں تو صرف تبلیغ کرنے والا پیغام پہنچانے والا ہوں اور ہو سکتا ہے کہ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ سے یہ استثنا ہو، یعنی خدا کے عذاب سے مجھے صرف میری رسالت کی ادائیگی ہی بچا سکتی ہے، جیسے اور جگہ ہے یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الخ یعنی "اے رسولؐ! تیری طرف جو تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اسے پہنچا دے اور اگر تو نے یہ نہ کیا تو تو نے حقِ رسالت ادا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچا لیگا۔ نافرمانوں کے لئے ہمیشگی والی جہنم کی آگ ہے جس میں سے نہ وہ نکل سکیں گے اور نہ بھاگ سکیں گے۔ جب یہ مشرکین جن وانس قیامت والے دن خوفناک عذاب کو دیکھ لیں گے اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کمزور مددگاروں والا اور بے وقعت گنتی والا کون ہے؟ یعنی مومن موحد یا مشرک حقیقت یہ ہے کہ مشرکوں کا برائے نام بھی کوئی مدد کرنے والا اس دن نہ ہوگا اور خدا تعالیٰ کے لشکروں کے مقابلہ پر ان کی گنتی بھی گویا نہ ہوگی

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھکو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک (آنیوالی) ہے یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے (اور) غیب

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ

کا جاننے والا (بس) وہی ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو تو (اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اس پیغمبر کے

ف۵ آیت اہل بدعت کے لئے خصوصی مطالعہ کی مستحق ہے جو کہ نہ صرف انبیاء علیہم السلام بلکہ اپنے جیسے بھی انسانوں کو کارساز، مشکل کشا قاضی الحاجات اور خدا جانے کیا کیا کچھ بیٹھے ہیں۔

مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿٢٧﴾ لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ

آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیجدیتا ہے (اور یہ انتظام اسلئے کیا جاتا ہے) تاکہ (ظاہری طور پر) اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جاوے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغام (بوسطہ تک

رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾

بحفاظت) پہنچادیئے اور اللہ تعالیٰ ان (پہرہ داروں) کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے

ع ۲ / ۱۲

آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں سے کہدیں قیامت کب ہوگی اس کا علم مجھے نہیں، بلکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اُس کا وقت قریب ہے یا دُور ہے اور لمبی مدت کے بعد آنے والی ہے، ف اس آیۂ کریمہ میں دلیل ہے اس امر کی کہ اکثر جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین کے اندر کی چیزوں کا بھی علم رکھتے ہیں وہ بالکل غلط ہے اس روایت کی کوئی اصل نہیں محض جھوٹ ہے اور بالکل بے اصل روایت ہے ہم نے تو اسے کسی کتاب میں نہیں پایا، ہاں اس کے خلاف صاف ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت پوچھا جاتا تھا اور آپؐ اس کے معین وقت سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے تھے اعرابی کی صورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی آکر جب قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپؐ نے صاف فرمادیا تھا کہ اس کا علم نہ پوچھنے والے کو ہے اور نہ اُسے ہے جس سے پوچھا جاتا ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک دیہات کے رہنے والے نے باواز بلند آپؐ سے دریافت کیا کہ حضورؐ قیامت کب آئیگی؟ آپؐ نے فرمایا وہ آئیگی ضرور اور بتا کہ تو نے اُس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اُس نے کہا میرے پاس روزے نماز کی کثرت تو نہیں البتہ اللہ و رسولؐ کی محبت ہے، آپؐ نے فرمایا پھر تو اُس کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کسی حدیث سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے اس حدیث سے ہوئے، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قیامت کا ٹھیک وقت آپؐ کو معلوم نہ تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اے لوگو! اگر تم کو کچھ علم ہے تو اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کیا کرو خدا کی قسم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ایک وقت آنے والی ہے، یہاں بھی آپؐ اس کا کوئی مقررہ وقت نہیں بتلاتے۔ ابوداؤد میں کتاب الملاحم کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت کو کیا عجب ہے کہ آدھے دن تک کی مہلت دیدے، ایک اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ حضرت سعدؓ سے پوچھا گیا کہ آدھے دن سے کیا مراد ہے؟ فرمایا پانچ سو سال، پھر فرماتا ہے خدا عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جسے چن لے اُس کو مطلع کر دیتا ہے، جیسے اور جگہ ہے وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ یعنی اُس کے علم میں سے کسی چیز کو نہیں گھیر سکتے (یعنی معلوم کر سکتے) مگر جو خدا چاہے، یعنی رسولؐ خواہ انسانوں میں سے ہوں خواہ فرشتوں میں سے ہوں جسے خدا جتنا چاہتا ہے بتلا دیتا ہے بس وہ اتنا ہی جانتے ہیں ف پھر اس کی مزید تخصیص یہ ہوتی ہے کہ اُس کی حفاظت اور ساتھ ہی اس علم کی اشاعت کے لئے جو خدا نے اسے دیا ہے اُس کے آس پاس ہر وقت نگہبان فرشتے مقرر رہتے ہیں، لِيَعْلَمَ کی ضمیر بعض نے تو کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، یعنی حضرت جبرئیلؑ کے آگے پیچھے چار چار فرشتے ہوتے تھے تاکہ حضورؐ کو یقین آجائے کہ انھوں نے اپنے رب کا پیغام صحیح طور پر مجھے پہنچایا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مرجع ضمیر کا اہل شرک ہے، یعنی باری باری آنے والے فرشتے نبی اللہؐ کی حفاظت کرتے ہیں شیطان سے اور اُس کی ذریات سے تاکہ اہل شرک جان لیں کہ رسولوں نے رسالتِ خدا ادا کر دی ہے، یعنی رسولوں کے جھٹلانے والے بھی رسولوں کی رسالت کو جان لیں مگر اس میں ذرا نظر ہے، یعقوبؒ کی قرأت پیش کے ساتھ ہے، یعنی لوگ جان لیں کہ رسولوں نے تبلیغ کر دی، اور ممکن ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ جان لے، یعنی وہ اپنے رسولوں کی اپنے فرشتے بھیجکر حفاظت کرتا ہے تاکہ وہ رسالت ادا کر سکیں اور وحی بھی محفوظ رکھ سکیں اور خدا جان لے کہ انھوں نے رسالت ادا کر دی، جیسے فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا الخ یعنی جس قبلہ پر تو تھا اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم رسولؐ کے سچے تابعداروں اور مرتدوں کو جان لیں اور جگہ ہے وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا الخ یعنی اللہ تعالیٰ

ایمان والوں کو اور منافقوں کو برابر جان کر۔ ہے گا کہ مومن کون ہیں اور منافق کون ہیں (اور بھی اس قسم کی آیتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ خدا پہلے ہی سے جانتا ہے لیکن اُسے ظاہر کر کے بھی جان لیتا ہے، اسی لئے یہاں اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہر چیز اور سب کی گنتی خدا کے علم کے احاطہ میں ہے۔ والحمدللہ سورۂ جن کی تفسیر بھی ختم ہوئی ؛

تفسیر سورۂ مزّمّل مکیّہ

مسند بزار میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قریش دار الندوہ میں جمع ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ آؤ مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا نام تجویز کریں کہ سب کی زبان سے وہی نکلے تاکہ باہر کے لوگ ایک ہی آواز سنکر جائیں، تو بعضوں نے کہا ان کا نام کاہن رکھو دوسروں نے کہا کہ درحقیقت وہ کاہن تو نہیں، کہا اچھا پھر ان کا نام مجنون رکھو اس پر اوروں نے کہا کہ وہ مجنون بھی نہیں، پھر بعضوں نے کہا ساحر نام رکھو لیکن کچھ بولے کہ وہ ساحر یعنی جادوگر بھی نہیں ہیں، غرض وہ کوئی ایسا برا نام تجویز نہ کر سکے جس پر سب کا اتفاق ہو اور یہ مجمع یوں ہی اٹھ کھڑا ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سنکر منہ لپیٹ کر کپڑا اوڑھ کر لیٹ رہے۔ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور اسی طرح یعنی اے کپڑا لپیٹ کر اوڑھنے والے کہکر آپ کو مخاطب کیا، اس روایت کے ایک راوی معلی بن عبدالرحمٰن سے گو اہل علم کی جماعت روایت لیتی ہے اور وہ اس سے حدیثیں نقل کرتے ہیں لیکن ان کی ان روایتوں میں بہت سی ایسی حدیثیں بھی ہیں جن پر ان کی مطابقت نہیں کی جاتی ؛

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ① قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ② نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ③ اَوْ زِدْ

اے کپڑے میں لپٹنے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات کہ اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو یا اس نصف کو کسی قدر کم کردو یا نصف

عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ④ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ⑤ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ

سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (مراد قرآن مجید ہے) بیشک رات کے اٹھنے

هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ⑥ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ⑦ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ

میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور دعا ہو یا قراءت ہو بات خوب ٹھیک نکلتی ہے بیشک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے (دنیوی بھی اور دینی بھی) اور

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ⑧ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ⑨

اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں تو اسی کو اپنا کام سپرد کر دینے کیلئے قرار

کملی ہو اسکے اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ راتوں کے وقت کپڑے لپیٹ کر سو رہنے کو چھوڑ دیں اور تہجد کی نماز کے قیام کو اختیار

ف ۱ کیونکہ بعد وحشت کی گئی کہ ان ہر دو سرائیوں سے فطرتی طور پر آپ کو رنج ہوا تھا اور اس حالت میں آپ اس طرح لیٹ گئے۔

کرلیں، جیسے فرمان ہے تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ان کی کروٹیں بستروں سے الگ ہوتی ہیں اور اپنے رب کو خوف اور لالچ سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں، حضورؐ پوری طرح اس حکم کی بجا آوری کرتے رہے تہجد کی نماز صرف آپؐ پر واجب تھی یعنی امت پر واجب نہیں ہے، جیسے اور جگہ ہے وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ اخیر راتوں کو تہجد پڑھا کر یہ حکم نفل کے طور پر صرف تجھے ہے تیرا رب تجھے مقام محمود میں پہنچانے والا ہے، یہاں اس حکم کے ساتھ ہی مقدار بھی بیان فرما دی کہ آدھی رات یا کچھ کم و بیش، مزمل کے معنے سونے والے اور کپڑا لپیٹنے والے کے ہیں، اس وقت حضورؐ اپنی چادر اوڑھکر لیٹے ہوئے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اے قرآن کے اچھی طرح لینے والے تو آدھی رات تک تہجد میں مشغول رہا کر، یا کچھ بڑھا گھٹا دیا کر، اور قرآن شریف کو آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کر تاکہ خوب سمجھتا جائے، اس حکم کے بھی حضورؐ عامل تھے، حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے جس سے بڑی دیر میں سورت ختم ہوتی تھی، گویا چھوٹی سی سورت بڑی سے بڑی ہو جاتی تھی، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات کی کیفیت معلوم کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ خوب مد کر کے حضورؐ پڑھا کرتے تھے پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ پڑھ کر سنائی جس میں لفظ اللہ پر لفظ رحمٰن پر لفظ رحیم پر مد کیا، ابن جریج میں ہے کہ ہر ہر آیت پر آپؐ پورا وقف فرمایا کرتے تھے، جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ پڑھ کر وقف کرتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ پڑھ کر وقف کرتے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ پڑھ کر وقف کرتے، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ پڑھ کر ٹھہرتے یہ حدیث مسند احمد، ابو داؤد اور ترمذی میں بھی ہے، مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ قرآن کے قاری سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ترتیل سے پڑھ جیسے دنیا میں ترتیل سے پڑھا کرتا تھا، تیرا درجہ وہ ہے جہاں تیری آخری آیت ختم ہو، یہ حدیث ابو داؤد، ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں، ہم نے اس تفسیر کے شروع میں وہ احادیث ذکر کر دی ہیں جو ترتیل کے مستحب ہونے اور اچھی آواز سے قرآن پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں، جیسے وہ حدیث جس میں ہے کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو، اور وہ شخص ہم میں سے نہیں (مسلمان نہیں) جو خوش آوازی سے قرآن نہ پڑھے۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت حضورؐ کا یہ فرمانا کہ اسے آلِ داؤد کی خوش آوازی عطا کی گئی ہے اور حضرت ابو موسیٰؓ کا فرمانا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپؐ سن رہے ہیں تو میں اور اچھے گلے سے زیادہ عمدگی کے ساتھ پڑھتا، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان کہ ریت کی طرح قرآن کو نہ پھیلاؤ اور شعروں کی طرح قرآن کو بے تہذیبی سے نہ پڑھو اس کے عجائب پر غور کرو اور دلوں میں اثر لیتے جاؤ اور اس کے پیچھے نہ پڑ جاؤ کہ جلد سورت ختم ہو (بغوی) ایک شخص نے آکر حضرت ابن مسعودؓ سے کہا کہ میں نے مفصل کی تمام سورتیں آج کی رات ایک ہی رکعت میں پڑھ ڈالیں، آپ نے فرمایا کہ پھر تو تو نے شعروں کی طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا مجھے وہ برابر برابر کی سورتیں خوب یاد ہیں جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر پڑھا کرتے تھے پھر مفصل سورتوں میں سے بیس سورتوں کے نام لئے کہ ان میں سے دو دو سورتیں حضورؐ ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے، پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تجھ پر عنقریب ایک عظیم بات اتاریں گے، یعنی عمل میں ثقیل ہوگی اور اترنے کے وقت بوجہ اپنی عظمت کے گراں قدر ہوگی، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتری اس وقت آپ کا گھٹنا میرے گھٹنے پر تھا وحی کا اتنا بوجھ پڑا کہ میں تو ڈرنے لگا کہ میری ران کہیں ٹوٹ نہ جائے، مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وحی کا احساس بھی آپ کو ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا میں ایسی آواز سنتا ہوں جیسے کسی زنجیر کے جھنجھنانے کی آواز ہو، اس وقت میں خاموش ہو جاتا ہوں جب

عہ واجب نہ ہونے کے باوجود تہجد کی فضیلت اور اس کے اجر و ثواب سے احادیث بھری پڑی ہیں جیسا کہ جصاص نے لکھا ہے کہ "وقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم آثار کثیرۃ فی الحث علیہ والترغیب فیہ" عہ یعنی کوشش کرے اور اچھی طرح سمجھنے کی سعی کرے لیکن یہ مطلب نہیں کہ علاوہ قرآن مجید کو شاعروں یا عشاق کی طرح گا گا کر پڑھنے لگے کہ یہ تو سخت گناہ ہے عہ یعنی قرآن مجید۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ مزمل ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس سے پہلے بہت مختصر وحی آپؐ پر نازل ہوئی تھی۔

سخت نازل ہوتی ہے مجھ پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں میری جان نکل جائیگی! صحیح بخاری شریف کے شروع میں ہے کہ حضرت حارث بن ہشام پوچھتے ہیں یارسول اللہ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی ہے جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے اور جب وہ گن گناہٹ کی آواز ختم ہو جاتی ہے تو اُس دوران میں جو کچھ کہا گیا تھا وہ مجھے خوب محفوظ ہو جاتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ سخت جاڑے والے دن میں بھی جب آپؐ پر وحی اترچکتی تو آپؐ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے، مسند احمد میں ہے کہ کبھی اونٹنی پر حضورؐ سوار ہوتے اور اسی حالت میں وحی آتی تو اونٹنی جھک جاتی، ابن جریر میں یہ بھی ہے کہ پھر جب تک وحی ختم نہ ہو لیتی اونٹنی سے قدم نہ اُٹھایا جاتا اور نہ اُس کی گردن اونچی ہوتی، مطلب یہ ہے کہ خود وحی کا اُترنا بھی اہم اور بوجھل تھا پھر احکام کا بجالانا اور اُن کا عامل ہونا بھی ایسا ہی تھا، یہی قول حضرت امام ابن جریرؒ کا ہے، حضرت عبدالرحمٰن سے منقول ہے کہ جس طرح دنیا میں یہ ثقیل کام ہے اسی طرح آخرت میں اجر بھی بھاری ملے گا، پھر فرماتا ہے کہ رات کا اُٹھنا نفس کو مغلوب کرنے کے لئے اور زبان کو درست کرنے کے لئے اکسیر ہے۔ نَشَأَ کے معنی حبشی زبان میں قیام کرنے ہیں، رات بھر میں جب اُٹھے اُسے نَاشِئَةَ اللَّيْلِ کہتے ہیں، تہجد کی نماز کی خوبی یہ ہے کہ دل اور زبان ایک ہو جاتا ہے اور تلاوت کے جو الفاظ زبان سے نکلتے ہیں دل میں گڑ جاتے ہیں اور بہ نسبت دن کے رات کی تنہائی میں معنی مطلب خوب ذہن نشین ہو جاتا ہے کیونکہ دن بھیڑ بھڑکے کا شور وغل کا کمائی دھندے کا وقت ہوتا ہے، حضرت انسؓ نے أَقْوَمُ قِيلًا کو أَصْوَبُ قِيلًا پڑھا تو لوگوں نے کہا ہم تو أَقْوَمُ پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا أَقْوَمُ، أَصْوَبُ، أَهْيَأُ اور ان جیسے سب الفاظ ہم معنی ہیں، پھر فرماتا ہے دن میں تجھے بہت فراغت ہے نیند کر سکتے ہو، سو اور بیٹھ سکتے ہو، راحت حاصل کر سکتے ہو، نوافل بکثرت ادا کر سکتے ہو، اپنے دنیوی کام کاج پورے کر سکتے ہو، پھر رات کو آخرت کے کام کے لئے خاص کر لو، اس بناء پر یہ حکم اُس وقت تھا جب رات کی نماز فرض تھی پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کیا اور بطور تخفیف کے اُس میں کمی کر دی اور فرمایا تھوڑی سی رات قیام کیا کرو، اس فرمان کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن زید بن اسلمؓ نے إِنَّ رَبَّكَ سے فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ تک پڑھا اور آیت وَمِنَ اللَّيْلِ الخ کی بھی تلاوت کی، آپ کا یہ قول ہے بھی ٹھیک، مسند احمد میں ہے کہ حضرت سعید بن ہشامؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ وہاں اپنے مکانات بیچ ڈالیں اور اُن کی قیمت سے ہتھیار وغیرہ خرید کر جہاد میں جائیں اور رومیوں سے لڑتے رہیں یہاں تک کہ یا تو فتح ہو یا شہادت نصیب ہو، مدینہ شریف میں اپنی قوم سے ملے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا تو اُنھوں نے کہا سنو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپؐ ہی کی قوم میں سے چھ شخصوں نے یہی ارادہ کیا تھا کہ عورتوں کو طلاق دیدیں مکانات وغیرہ بیچ ڈالیں اور راہ اللہ میں کھڑے ہو جائیں، حضورؐ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپؐ نے اُن سے فرمایا کیا جس طرح میں کرتا ہوں اُسی طرح کرنے میں تمہارے لئے اچھائی نہیں ہے؟ خبردار ایسا نہ کرنا اپنے اس ارادے سے باز آجاؤ، یہ حدیث سُنکر حضرت سعیدؓ نے بھی اپنا ارادہ ترک کر دیا اور وہیں اسی جماعت سے کہا کہ تم گواہ رہنا میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا اب حضرت سعیدؓ چلے گئے پھر جب اس جماعت سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ یہاں سے جانے کے بعد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس گیا اور اُن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کی کیفیت دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ اس مسئلے کو سب سے زیادہ بہتر طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتلا سکتی ہیں تم وہیں جاؤ اور اُن ہی سے دریافت کرو اور اُن کا جو جواب ہو وہ مجھ سے کہہ جانا میں حضرت حکیم بن افلحؓ کے پاس گیا اور اُن سے میں نے کہا کہ تم مجھے ام المومنینؓ کی خدمت میں لے چلو، انھوں نے فرمایا کہ میں وہاں نہیں جاؤں گا اسلئے کہ میں نے اُنھیں مشورہ دیا کہ ان دونوں آپس میں لڑنے والی جماعتوں یعنی حضرت علیؓ اور اُن کے مقابلوں کے بارے میں آپ کچھ دخل نہ دیجئے لیکن اُنھوں نے نہ مانا اور دخل دیا، میں نے اُنھیں قسم دی اور کہا کہ نہیں آپ مجھے ضرور وہاں لے چلئے بمشکل تمام وہ راضی ہوئے اور میں اُن کے ساتھ گیا ام المومنینؓ نے حضرت حکیمؓ کی آواز پہچان لی اور فرمایا کیا حکیمؓ ہے؟ جواب دیا گیا کہ ہاں حضورؓ میں حکیم بن افلحؓ ہوں، پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے

کہا سعد بن ہشام، پوچھا ہشام کون؟ عامرؓ کے لڑکے؟ کہا ہاں عامر کے لڑکے تو حضرت عائشہؓ نے حضرت عامرؓ کے لئے دعائے رحمت کی اور فرمایا عامرؓ بہت اچھے آدمی تھے۔ خدا ان پر رحم کرے، میں نے عرض کیا اُم المومنینؓ مجھے بتلایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق مبارک کیا تھے؟ آپ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟ فرمایا بس حضورؐ کا خُلق قرآن تھا، اب میں نے اجازت مانگنے کا قصد کیا لیکن فوراً ہی یاد آگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کا حال بھی دریافت کر لوں، اس سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کیا تم نے سورۂ مزمل نہیں پڑھی؟ میں نے کہا ہاں پڑھی ہے۔ فرمایا سُنو اس سورت کے اول حصہ میں قیام لیل فرض ہوا اور سال بھر تک حضورؐ اور آپ کے اصحابؓ تہجد کی نماز بطور فرضیت کے ادا کرتے رہے یہاں تک کہ قدموں پر ورم آگیا، بارہ ماہ کے بعد اس سورت کے خاتمہ کی آیتیں اُتریں اور خداوند تعالیٰ نے تخفیف کر دی فرضیت اُٹھ گئی اور نفلیت باقی رہ گئی، میں نے پھر اُٹھنے کا ارادہ کیا لیکن خیال آیا کہ وتر کا مسئلہ بھی دریافت کر لوں تو میں نے کہا اُم المومنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کی کیفیت سے بھی آگاہ فرمایئے، آپ نے فرمایا ہاں سُنو ہم آپؐ کی مسواک وضو کا پانی وغیرہ تیار کر کے ایک طرف رکھ دیا کرتے تھے جب بھی خدا چاہتا اور آپؐ کی آنکھ کھلتی اُٹھتے مسواک کرتے وضو کرتے اور آٹھ رکعتیں پڑھتے بیچ میں تشہد میں بالکل نہ بیٹھتے آٹھویں رکعت پوری کر کے آپؐ التحیات میں بیٹھتے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر کرتے دُعا کرتے اور زور سے سلام پھیرتے کہ ہم بھی سُن لیں پھر بیٹھے ہی بیٹھے دو رکعتیں ادا کرتے (اور ایک وتر پڑھتے) بیٹا یہ سب ملکر گیارہ رکعتیں ہوئیں، پھر جب آپؐ عمر رسیدہ ہو گئے اور بدن بھاری ہو گیا تو آپؐ نے سات وتر پڑھے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں ادا کیں، بس بیٹا یہ نو رکعتیں ہوئیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی نماز کو پڑھتے تو اس پر مداومت کرتے ہاں اگر کسی شغل یا نیند یا دکھ تکلیف اور بیماری کی وجہ سے رات کو نماز نہ پڑھ سکتے تو دن کو بارہ رکعت ادا فرما لیا کرتے، میں نہیں جانتی کہ کسی ایک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا قرآن صبح تک پڑھا ہو اور نہ رمضان کے سوا کسی اور مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں، اب میں اُم المومنینؓ سے رخصت ہو کر حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور وہاں کے تمام سوال جواب دوہرائے آپ نے سب کی تصدیق کی اور فرمایا اگر میری بھی آمد و رفت اُن کے پاس ہوتی تو جا کر خود اپنے کانوں سے سُن آتا، یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے، ابن جریر میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بوریا دکھ دیا کرتی جس پر آپؐ تہجد کی نماز ادا فرمایا کرتے، لوگوں نے کہیں یہ خبر سُن لی اور رات کی نماز میں حضورؐ کی اقتداء کرنے کے لئے وہ بھی آ گئے۔ حضورؐ کچھ برہم ہو کر باہر تشریف لائے چونکہ آپؐ کو اُمت پر شفقت و رحمت تھی اور ساتھ ہی ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ نماز فرض ہو جائے۔ لہٰذا آپؐ ان سے فرمانے لگے کہ لوگو! اُن ہی اعمال کی تکلیف اُٹھاؤ جن کی تم میں طاقت ہو، اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں تھکے گا البتہ تم عمل کرنے سے تھک جاؤ گے، سب سے بہتر عمل وہ ہے جس پر مداومت ہو سکے اور انسان اسے نبھا سکے ادھر قرآن کریم میں یہ آیتیں اُتریں اور صحابہؓ نے قیام لیل شروع کیا یہاں تک کہ رسیاں باندھنے لگے کہ نیند نہ آ جائے آٹھ مہینے اسی طرح گزر گئے ان کی اس کوشش کو جو وہ خدا کی رضامندی کی طلب میں کر رہے تھے دیکھ کر خدا نے بھی ان پر رحم کیا اور اُسے فرض عشاء کی طرف لوٹا دیا اور قیام لیل چھوڑ دیا گیا، یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی ہے لیکن اُس کا راوی موسیٰ بن عبید زبیدی ضعیف ہے اصل حدیث بغیر سورۂ مزمل کے نازل ہونے کے ذکر کے صحیح میں بھی ہے اور اس حدیث کے الفاظ سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی حالانکہ یہ سورت مکہ شریف میں اُتری ہے، اسی طرح اس روایت میں ہے کہ آٹھ مہینے کے بعد اس کی آخری آیتیں نازل ہوئیں یہ قول بھی غریب ہے، صحیح وہ ہے جو بحوالہ مسند پہلے گزر چکا کہ سال بھر کے بعد آخری آیتیں نازل ہوئیں، حضرت ابن عباسؓ سے بھی ابن ابی حاتم میں منقول ہے کہ سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتوں کے اُترنے کے بعد صحابہ کرامؓ مثل رمضان شریف کے قیام کے قیام کرتے رہے اور اس سورت کی اول آخری آیتوں کے اُترنے میں تقریباً سال بھر کا فاصلہ تھا، حضرت ابو اسامہؓ سے بھی ابن جریر میں اسی طرح مروی ہے، حضرت ابو عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ ابتدائی آیتوں کے اُترنے کے بعد صحابہ کرامؓ نے سال بھر تک قیام کیا یہاں تک کہ اُن کے قدم اور پنڈلیاں ورم کر گئیں پھر فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ

منہ نازل ہوئی اور لوگوں نے راحت پائی، حسن بصریؒ اور سدیؒ کا بھی یہی قول ہے، ابن ابی حاتم میں بروایت حضرت عائشہؓ سولہ مہینے کی مدت منقول ہے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ایک سال یا دو سال تک قیام فرماتے رہے قدم اور پنڈلیاں سوج گئیں پھر آخری سورت کی آیتیں اتریں اور تخفیف ہو گئی، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ دس سال کی مدت بتاتے ہیں (ابن جریر) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلی آیت کے حکم کے مطابق ایمانداروں نے قیام لیل شروع کیا لیکن بڑی مشقت پڑتی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ سے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ تک کی آیتیں نازل فرما کر وسعت کر دی اور تنگی نہ رکھی فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ پھر فرمان ہے کہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہ اور اس کی عبادت کے لئے فارغ ہو جا، یعنی امور دنیا سے فارغ ہو کر دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ بکثرت اس کا ذکر کر، اس کی طرف مائل اور سراسر اسی کا ہو جا، جیسے اور جگہ ہے فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ یعنی جب اپنے شغل سے فارغ ہو تو ہماری عبادت محنت سے بجا لاؤ، اخلاص، خشوع خضوع اور یکسوئی سے خدا کی طرف جھک جاؤ، ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے تبتل سے منع فرمایا یعنی بال بچے اور دنیا کو چھوڑ دینے سے، یہاں مطلب یہ ہے کہ علائق دنیوی سے کٹ کر خدا کی عبادت میں توجہ اور انہماک کا وقت بھی ضرور نکالا کرو، وہ مالک ہے وہ متصرف ہے مشرق مغرب سب اسی کے قبضہ میں ہے اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں، تو جس طرح صرف اسی خدا کی عبادت کرتا ہے اسی طرح صرف اسی پر بھروسہ بھی رکھ، جیسے اور آیت میں ہے فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ رکھ، یہی مضمون اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں بھی ہے اس معنی کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں کہ عبادت اطاعت توکل اور بھروسہ کے لائق ایک اسی کی پاک ذات ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي

اور یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ رہو اور مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں کو جو نعمتوں میں ہیں (یعنی مالدار ہیں) چھوڑ دو (یعنی مجھ پر چھوڑ دو)

النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا

اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں اور مہلت دو ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب

اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ

ہے جس روز کہ زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ (ریزہ ریزہ ہو کر) ریگ رواں ہو جاویں گے بیشک ہم نے

اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ

تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر قیامت کے روز گواہی دیں گے جیسا ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا پھر فرعون نے اس

الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ

رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سخت پکڑنا پکڑا سو اگر تم بھی بعد بھیجے رسول کے منکر رہو تو کفر کر کے تم اس دن سے کیسے بچو گے جو دہشت کے مارے بچوں کو (بوڑھا کر دیگا)

شِيْبًا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۭ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾

بچوں کو بوڑھا کر دیگا جس میں آسمان پھٹ جاوے گا بیشک اس کا وعدہ ضرور ہو کر رہے گا

صبر و ثبات کا حکم اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبیؐ کو کفار کی طعن آمیز باتوں پر صبر کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دے ہَجْرًا جَمِيْلًا، مطلب یہ ہے کہ ترک تعلق کیا جائے لیکن کسی نفسانیت کے ساتھ نہیں بلکہ محض خدا تعالیٰ کیلئے۔

بغیر ڈانٹ ڈپٹ کے ہی پچھڑ سکیں، یہ عنوان سے ثابت ہوں گا میرے غضب اور غصے کے وقت دیکھوں گا کہ کیسے یہ لوگ نجات پاتے ہیں ہاں ان مال دار خوشحال لوگوں کو جو بے فکر رہے ہیں اور مجھے ستانے کیلئے باتیں بنا رہے ہیں جن پر دو پورے حقوق ہیں مال کے اور جان کے اور ، اُن میں سے ایک بھی ادا نہیں کرتے تو ان سے بے تعلق رہ جا پھر دیکھ کہ میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں ؟ تھوڑی دیر دنیا میں تو چاہے فائدہ اٹھائیں مگر انجام کار عذاب میں پھنسیں گے اور عذاب بھی کیسے؟ سخت قید و بند کے، اور بدترین بھڑکتی ہوئی نہ بجھنے والی اور نہ کم ہونے والی آگ کے، اور اس گلے میں پھنسنے کے جو حلق میں جاکر اٹک جائیگا، نہ نگل سکیں گے نہ اگل سکیں گے اور بھی طرح طرح کے المناک عذاب ہوں گے، پھر وہ وقت بھی وہ ہوگا جب زمینوں میں اور پہاڑوں پر زلزلہ پڑا ہوا ہوگا ۔ اور سخت اور بڑی چٹانوں والے پہاڑ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر چورا چورا ہوگئے ہونگے جیسے ریت کے بکھرے ہوئے ذرے ہوں جنہیں ہوا اِدھر سے اُدھر لے جائیگی اور نام و نشان تک مٹا دیگی، اور زمین ایک چٹیل صاف میدان کی طرح رہ جائیگی جس میں کہیں اونچ نیچ نظر نہ آئیگی، پھر فرماتا ہے کہ اے لوگو! اور خصوصاً اے کافرو ہم نے تم پر گواہی دینے والا اپنا صادق رسول تم میں بھیج دیا ہے جیسے کہ فرعون کے پاس ہم نے اپنے احکام کے پہنچا دینے کے لئے اپنا ایک رسول کو بھیجا تھا، اس نے جب اس رسول کی نافرمانی تو تم جانتے ہو کہ ہم نے اُسے بری طرح برباد کیا اور سختی سے پکڑ لیا، اسی طرح یاد رکھو اگر اس نبی کی تم نے بھی نہ مانی تو تمہاری بھی خیر نہیں عذاب خداوندی تم پر بھی آ جائیں گے، اور تہس نہس کر دئیے جاؤ گے، کیونکہ یہ رسول رسولوں کے سردار ہیں ان کے جھٹلانے کا وبال بھی اور وبالوں سے بڑھا ہے۔ اس کے بعد کی آیت کے دو معنے ہیں ایک تو یہ کہ اگر تم نے کفر کیا تو بتلاؤ تو سہی کہ اس دن کے عذاب سے کیسے نجات حاصل کروگے؟ جس دن کی ہیبت خوف اور ڈر بچوں کو بوڑھا کر دیگا؟ اور دوسرے معنے یہ کہ اگر تم نے اتنے بڑے ہولناک دن کا بھی کفر کیا اور اس کے بھی منکر رہے تو تمہیں تقویٰ اور خدا کا ڈر کیسے حاصل ہوگا؟ گو یہ دونوں معنے نہایت عمدہ ہیں، لیکن پہلے معنے زیادہ بہتر ہیں۔ واللہ اعلم ؛

طبرانی میں ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ قیامت کا دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائیگا اُٹھو اور اپنی اولاد میں سے جہنمیوں کو الگ کردو وہ پوچھیں گے خدایا کتنی تعداد میں سے کتنے؟ حکم ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے یہ سنتے ہی مسلمانوں کے تو ہوش اُڑ گئے اور گھبرا گئے حضور بھی اُن کے چہرے سے دیکھ کر سمجھ گئے اور بطور تسلی کے فرمایا سنو بنو آدم بہت سے ہیں یاجوج ماجوج بھی اولاد آدم میں سے ہیں جن میں سے ایک ایک اپنے پیچھے خاص اپنی صلبی اولاد ایک ایک ہزار چھوڑ کر جاتا ہے پس ان میں اور ان جیسوں میں مل کر جہنمیوں کی یہ تعداد ہو جائیگی اور جنت تمہارے لئے اور تم جنت کے لئے ہو جاؤ گے، یہ حدیث غریب ہے اور سورۂ حج کی تفسیر کے شروع میں اسی جیسی احادیث کا تذکرہ گزر چکا ہے، اُس دن کی ہیبت اور دہشت کی وجہ سے آسمان بھی پھٹ جائیگا بعض مفسرین نے ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف کیا ہے لیکن یہ قوی نہیں اسلئے کہ یہاں ذکر ہی نہیں ، اس دن کا وعدہ یقیناً سچ ہے اور ہو کر ہی رہے گا ، اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں ؛

ع ١ ١٢

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿١٩﴾ إِنَّ رَبَّكَ

یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے (١٩) آپ کا رب

يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ

معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں

مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا

اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے اس کو معلوم ہے کہ تم اس (تقدیر وقت) کو ضبط نہیں کر سکتے تو (ان وجوہ) اس نے تم پر عنایت

ــــه یعنی کہ نہ کرسکے جو بہت آسودہ حال اور رئیس تھے

مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰىۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى

کی سو رات ، تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو ، اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں بعض بیمار ہونگے اور بعض تلاش معاش کے

الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا

لئے ملک میں سفر کریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے ، اس لئے تمہیں یہ حکم منسوخ کر دیا ، سو اس لئے جس قدر ہو سکے

مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا

پڑھ لیا کرو ، اب تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو اور نماز (فرض) کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو اچھا قرض دو یعنی اخلاص سے

تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ

جو نیک عمل اپنے لئے آگے ذخیرہ آخرت جا کر بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچکر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا

اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع ۱ ۱۳

پاؤ گے اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو بے شک اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سورت عقلمندوں کے لئے سراسر نصیحت و عبرت ہے جو بھی طالب ہدایت ہو وہ مرضیٔ مولا سے ہدایت کا راستہ پائیگا اور اپنے رب کی طرف پہنچ جانے کا ذریعہ حاصل کرے گا۔ جیسے دوسری سورت میں فرمایا وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ تمہاری خواہش کام نہیں آتی وہی ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ چاہے ، صحیح علم والا اور پوری حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے ، پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! آپ کا اور آپ کے اصحابؓ کی ایک جماعت کا کبھی دو تہائی رات تک قیام لیل میں مشغول رہنا ، کبھی آدھی رات اسی میں گزارنا کبھی تہائی رات تک تہجد پڑھنا اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے ، گو تمہارا مقصد ٹھیک اس وقت کو پورا کرنا نہیں ہوتا اور ہے بھی وہ مشکل کام ، کیونکہ رات دن کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو ہے ، کبھی دونوں برابر ہوتے ہیں کبھی رات چھوٹی دن بڑا کبھی دن چھوٹا رات بڑی ، خدا جانتا ہے کہ اس کو نبھانے کی طاقت تم میں نہیں تو اب رات کی نماز اتنی ہی پڑھو جتنی تم با آسانی پڑھ سکو ، کوئی وقت مقرر نہیں کر فرضاً اتنا وقت لگانا ہی ہوگا ، یہاں صلوٰۃ کی تعبیر قرات سے کی ہے ، جیسے سورۂ سبحان میں ہے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ یعنی اپنی قرات نہ تو بلند کر نہ بالکل پست کر ، پھر فرماتا ہے کہ خدا کو معلوم ہے کہ اس امت میں عذر والے لوگ بھی ہیں جو قیام لیل کے ترک پر معذور ہیں ، مثلاً بیمار جنہیں اس کی طاقت نہیں ، مسافر کہ روزی کی تلاش میں ادھر ادھر جا آ رہے ہیں ، مجاہد جو اہم تر شغل میں مشغول ہیں ، یہ آیت بلکہ یہ پوری سورت مکی ہے مکہ شریف میں نازل ہوئی اس وقت جہاد نہیں تھا بلکہ مسلمان نہایت پست حالت میں تھے پھر غیب کی یہ خبر دینا اور اسی طرح ظہور میں بھی آنا کہ مسلمان جہاد میں پوری مشغولی ہوئی یہ نبوت کی اعلیٰ اور بہترین دلیل ہے ، تو ان مجبوریوں کے باعث تمہیں رخصت دی جاتی ہے کہ جتنا قیام تم سے با آسانی کیا جا سکے کر لیا کرو ، حضرت ابو رجاء محمد نے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا اے ابو سعید! اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو پورے قرآن کا حافظ ہے لیکن تہجد نہیں پڑھتا صرف نماز فرض پڑھتا ہے ؟ آپ نے فرمایا اس نے قرآن کو تکیہ بنا لیا اس پر خدا کی لعنت ہو ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نیک غلام کے لئے فرمایا کہ وہ ہمارے علم کو جاننے والا تھا ، اور فرمایا تم کو وہ کچھ سکھایا گیا جسے نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا ، میں کہا اے ابو سعید خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ جو قرآن آسانی سے تم پڑھ سکو پڑھو ، فرمایا ہاں ٹھیک تو ہے پانچ آیتیں ہی پڑھ لو ،

ف لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا کہ حافظ کے لئے تہجد فرض ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کم از کم حافظ کو تو تہجد پڑھنا چاہیے جیسا کہ ہم کہدیں کہ عالم دین اگر تلاوت نہ کرے تو اس پر لعنت ، ظاہر ہے کہ عالم دین کے لئے تلاوت فرض نہیں تاہم اگر وہ نہ کریگا تو پھر کون کریگا۔

پس بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حافظِ قرآن کلمات کی نسبت میں کچھ نہ کچھ قیام کرنا امام حسن بصریؒ کے نزدیک حق و واجب تھا، ایک حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا جو صبح تک سویا رہتا ہے، فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کے کان میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے، اس کا ایک تو یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عشاء کے فرض بھی نہ پڑھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو رات کو نفل قیام نہ کرے۔ سنن کی حدیث میں ہے اے قرآن والو! وتر پڑھا کرو، دوسری روایت میں ہے کہ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، حسن بصریؒ کے قول سے بھی زیادہ غریب قول ابوبکر بن عبدالعزیز حنبلیؒ کا ہے جو کہتے ہیں کہ رمضان کے مہینے کا قیام فرض ہے واللہ اعلم۔ یہ یاد رہے کہ صحیح مسلک تو یہی ہے کہ تہجد کی نماز نہ تو رمضان میں واجب ہے نہ غیر رمضان میں، رمضان شریف کی بابت بھی حدیث شریف میں صاف آچکا ہے کہ وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا یعنی خدا نے اس کے قیام کو نفلی قرار دیا ہے وغیرہ۔ (مترجم) طبرانی کی حدیث میں اس آیت کی تفسیر مرفوعاً مروی ہے کہ گو سو ہی آیتیں ہوں، لیکن یہ حدیث بہت غریب ہے معجم طبرانی میں ہی میں نے اسے دیکھا ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ فرض نمازوں کی حفاظت کرو اور فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کیا کرو، یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ فرضیتِ زکوٰۃ کا حکم مکہ شریف میں ہی نازل ہو چکا تھا ہاں کتنی نکالی جائے؟ نصاب کیا ہے؟ وغیرہ یہ سب مدینہ شریف میں بیان ہوا، واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ عکرمہؒ مجاہدؒ حسنؒ قتادہؒ وغیرہ سلف کا فرمان ہے کہ اس آیت نے اس سے پہلے کے حکمِ رات کے قیام کو منسوخ کر دیا، خود ان دونوں حکموں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ اس میں جو اختلاف ہے اس کا بیان اوپر گزر چکا، صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص سے فرمایا پانچ نمازیں دن رات میں فرض ہیں، اس نے پوچھا اس کے سوا بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ آپؐ نے فرمایا باقی سب نوافل ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو یعنی راہِ اللہ صدقہ خیرات کرتے رہو جس پر اللہ تعالیٰ تمہیں بہت بہتر اور اعلیٰ اور پورا پورا بدلہ دیگا جیسے اور جگہ ہے ایسا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دے اور خدا اسے بہت کچھ بڑھا بڑھا کر دے، تم جو بھی نیکیاں کر کے بھیجو گے وہ تمہارے لئے اس چیز سے جسے تم اپنے پیچھے چھوڑ کر جاؤ گے بہت ہی بہتر اور اجر و ثواب میں بہت ہی زیادہ ہے، ابویعلیٰ موصلیؒ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے ایک مرتبہ پوچھا تم میں سے ایسا کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ انھوں نے کہا حضورؐ ہم میں سے تو ایک بھی ایسا نہیں، آپؐ نے فرمایا اور سوچ لو، انھوں نے کہا حضورؐ یہی بات ہے، فرمایا سنو تمہارا مال وہ ہے جسے تم راہِ خدا دیکر اپنے لئے آگے بھیجو اور جو چھوڑ جاؤ گے وہ تمہارا مال نہیں وہ تو تمہارے وارثوں کا مال ہے، یہ حدیث بخاری شریف اور نسائی میں بھی موجود ہے۔ پھر فرمان ہے کہ ذکر اللہ بکثرت کیا کرو اور اپنے تمام کاموں میں استغفار کیا کرو جو استغفار کرے وہ مغفرت حاصل کر لیتا ہے کیونکہ خدا مغفرت کرنے والا اور مہربانیوں والا ہے۔ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ مزمل کی تفسیر ختم ہوئی۔

تفسیر سورۂ مدثر مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں جس کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ قُمْ فَأَنْذِرْ ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو یعنی اپنی جگہ سے اٹھ کر مستعد ہو جاؤ (لوگوں کو) ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور بتوں کا الگ رہو

فَاهْجُرْ ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾ فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿۸﴾

رجس (بت) کو چھوڑ دے اور ایسا نہ ہو کہ اس غرض سے احسان کرو کہ (دوسرے وقت) زیادہ معاوضہ چاہو اور دیکھو اعمال میں جو ایذا پیش آئے اس پر اپنے رب کی خوشنودی کے واسطے صبر کیجئے پھر

فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿۱۰﴾

جس وقت صور پھونکا جائے گا سو وہ وقت یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی۔

تبلیغ کیجئے

حضرت جابرؓ سے صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی یہی آیت یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ نازل ہوئی ہے لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ کی آیتیں ہیں جیسے اسی سورت کی تفسیر کے موقع پر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ یحییٰ بن ابو کثیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰنؓ سے سوال کیا کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی کونسی آیتیں نازل ہوئیں؟ تو فرمایا یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ میں نے کہا لوگ تو اِقْرَاْ بِاسْمِ بتلاتے ہیں تو آپ نے فرمایا میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا تھا انہوں نے وہی جواب دیا جو میں نے تمہیں دیا اور میں نے بھی وہی کہا جو تم نے مجھے کہا اس کے جواب میں حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ میں تو تم سے وہی کہتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حرا میں یاد خدا کی جب میں وہاں سے فارغ ہوا اور اترا تو میں نے سنا کہ گویا مجھے کوئی آواز دے رہا ہے میں نے اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا تو میں نے سر اٹھا کر اوپر کو دیکھا اور مجھے نظر پڑا میں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا اور کہا مجھے چادر اڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو انہوں نے ایسا ہی کیا اور یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کی آیتیں اتریں (بخاری) صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے وحی کے رک جانے کی حدیث بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں آسمان کی طرف سے مجھے صدا سنائی دی میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا کہ جو فرشتہ میرے پاس غار حرا میں آیا تھا وہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے میں خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے زمین کی طرف جھک گیا اور گھر آتے ہی کہا کہ مجھے کپڑوں سے ڈھک دو چنانچہ گھر والوں نے مجھے کپڑے اڑھا دیئے اور سورۂ مدثر کی فَاهْجُرْ تک کی آیتیں اتریں ابو سلمہ فرماتے ہیں رجز سے مراد بت ہیں، پھر وحی برابر آنے لگی، یہ لفظ بخاری کے ہیں، اور یہی سیاق محفوظ ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے بھی کوئی وحی آئی تھی کیونکہ آپؐ کا وہ فرمان موجود ہے کہ یہ وہی تھا جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام جب کہ غار حرا میں سورۂ اِقْرَاْ کی آیتیں مَا لَمْ یَعْلَمْ تک پڑھا گئے تھے، پھر اس کے بعد وحی کچھ زمانہ تک نہ آئی پھر جو اس کی آمد شروع ہوئی اس میں سب سے پہلے وحی سورۂ مدثر کی ابتدائی آیتیں تھیں، اور اسی طرح ان دونوں حدیثوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے کہ دراصل سب سے پہلی وحی تو اِقْرَاْ کی آیتیں ہیں پھر وحی کے رک جانے کے بعد سب سے پہلی وحی اس سورت کی آیتیں ہیں، اس کی تائید مسند احمد وغیرہ کی حدیثوں سے بھی ہوتی ہے جن میں ہے کہ وحی رک جانے کے بعد کی پہلی وحی اس سورت کی ابتدائی آیتیں ہیں، طبرانی میں اس سورت کا شان نزول یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریشیوں کی دعوت کی، جب کھا پی چکے تو کہنے لگا بتاؤ تم اس شخص کی بابت کیا کہتے ہو؟ تو بعضوں نے کہا جادوگر ہے بعض نے کہا نہیں ہے، بعضوں نے کہا شاعر ہے بعض نے کہا شاعر نہیں ہے، بعض نے کہا اس کا یہ کلام یعنی قرآن منقول جادو ہے، چنانچہ اس پر اجماع ہو گیا کہ انہیں منقول جادو کہا جائے، حضورؐ کو جب یہ اطلاع پہنچی تو غمگین ہو گئے اور سر پر کپڑا ڈال لیا اور کپڑا اوڑھ بھی لیا جس پر یہ آیتیں فَاصْبِرْ تک اتریں، پھر فرماتا ہے کہ کھڑے ہو جاؤ، یعنی عزم اور پختہ ارادے کے ساتھ کمربستہ اور تیار ہو جاؤ، اور لوگوں کو ہماری ذات سے جہنم سے اُن کے بد اعمال کی سزا سے ڈراؤ پہلی وحی سے نبوت کے ساتھ حضورؐ کو ممتاز کیا گیا اور اس وحی سے آپؐ رسول بنائے گئے، اور اپنے رب ہی کی تعظیم کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو یعنی معصیت بدعہدی وعدہ شکنی وغیرہ سے بچتے رہو، جیسے کہ شاعر کے شعر میں ہے کہ بحمد اللہ میں فسق و بدعہدی

لباس سے اور غرور کے رومال سے عاری ہوں، عربی محاورے میں یہ برابر آتا ہے کہ کپڑے پاک رکھو یعنی گناہ چھوڑ دو، اعمال کی اصلاح کر لو، یہ بھی مطلب کہا گیا ہے کہ دراصل آپؐ نہ تو کاہن ہیں نہ جادوگر ہیں یہ لوگ کچھ ہی کہا کریں آپؐ پروا نہ کریں، عربی محاورے میں جو معصیت آلود بد عہد ہوا سے میلے اور گندے کپڑوں والا کہتے ہیں اور جو عصمت مآب پابند وعدہ ہوا سے پاک کپڑوں والا کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے ؎ اِذَا الْمَرْءُ لَمْ يُدْنَسْ مِنَ اللُّؤْمِ عِرْضُهُ ٭ فَكُلُّ رِدَاءٍ يَرْتَدِيْهِ جَمِيْلُ

یعنی انسان جب کہ سیہ کاریوں سے الگ ہے تو ہر کپڑے میں وہ حسین ہے، اور یہ مطلب بھی ہے کہ غیر ضروری لباس نہ پہنو اپنے کپڑوں کو معصیت آلود نہ کرو، کپڑے پاک صاف رکھو، میلوں کو دھو ڈالا کرو، مشرکوں کی طرح اپنا لباس ناپاک نہ رکھو، دراصل یہ سب مطالب ٹھیک ہیں یہ بھی ہو وہ بھی ہو اور ساتھ ہی دل بھی پاک ہو، دل پر بھی کپڑے کا اطلاق کلام عرب میں پایا جاتا ہے۔ جیسے امرء القیس کے شعر میں ہے اور حضرت سعید بن جبیرؒ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اپنے دل کو اور اپنی نیت کو صاف رکھو، محمد بن کعب قرظیؒ اور حضرت حسنؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ اپنے اخلاق کو اچھے رکھو ٭ پھر فرماتا ہے گندگی کو چھوڑ دو، یعنی بتوں کو اور نافرمانی خدا کو چھوڑ دو، جیسے اور جگہ فرمان ہے يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اے نبیؐ! اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی نہ مانو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا اے ہارونؑ! میرے بعد میری قوم میں تم میری جانشینی کرو، اصلاح کے درپے ہو اور مفسدوں کی راہ پر نہ لگو ٭ پھر فرماتا ہے کہ عطیہ دیکر زیادتی کے خواہاں نہ رہو، ابن مسعودؓ کی قرات میں اَنْ تَسْتَكْثِرَ ہے، یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اپنے نیک اعمال کا احسان خدا پر طلب زیادتی کے ساتھ نہ رکھو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خیر کی طلب کی کثرت سے کمزوری نہ برتو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنی نبوت کا بار احسان لوگوں پر رکھکر اس کے عوض دنیا طلبی نہ کرو، یہ چار قول ہوئے لیکن اول اولیٰ ہے واللہ اعلم ٭ پھر فرماتا ہے کہ ان کی ایذا پر راہ خدا میں تجھے پہنچے تو رب کی رضامندی کی خاطر صبر و تحمل کر، اللہ تعالیٰ نے جو آپؐ کو منصب دیا ہے اس پر لگا رہ اور جما رہ ٭ نَاقُوْرٌ سے مراد صور ہے، مسند احمد ابن ابی حاتم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کیسے راحت سے رہوں؟ حالانکہ صور والے فرشتے نے اپنے منہ میں صور لے رکھا ہے اور پیشانی جھکائے ہوئے حکم خدا کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا یا رسول اللہؐ! پھر ہمیں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ٭ پھر صور کے پھونکے جانے کا ذکر کر کے یہ فرما کر جب صور پھونکا جائے گا پھر فرماتا ہے کہ وہ دن اور وہ وقت کافروں پر بڑا سخت ہوگا جو کسی طرح آسان نہ ہوگا، جیسے اور جگہ خود کفار کا قول مروی ہے کہ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ یہ آج کا دن تو بے حد گراں بار اور سخت مشکل کا دن ہے۔ ف حضرت زرارہ بن اوفی رحمۃ اللہ علیہ جو بصرہ کے قاضی تھے وہ ایک مرتبہ اپنے مقتدیوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اسی سورت کی تلاوت کی جب اس آیت پر پہنچے تو بے ساختہ زور کی ایک چیخ منہ سے نکل گئی اور گر پڑے، لوگوں نے دیکھا تو روح پرواز ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے ٭

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِيْنَ

(اے محمدؐ) مجھے اور اس شخص کو ذرا چھوڑ دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا، اور اس کو کثرت سے مال دیا، اور پاس رہنے والے بیٹے

شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ

دیئے اور ہر طرح کا سامان اس کے لئے مہیا کر دیا پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ میں اس کو اور زیادہ دوں، ہرگز (زیادہ) نہیں (دیا جائے گا)

ف لیکن ابوبکر جصاص صاحب احکام القرآن نے صرف کپڑوں کی پاکی اور پاکیزگی کے علاوہ باقی معنی کا انکار کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ حمل الکلام علی بیان الاختلال والفساد لا تناقض۔

كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾

نہیں (کیونکہ) وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے اس کو عنقریب (یعنی مرنے کے بعد) دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا اس شخص نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَ

سو اس پر خدا کی مار ہو۔ کیسی بات تجویز کی (اور) پھر (کہو) اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی پھر (حاضرین کے چہروں کو) دیکھا پھر منہ بنایا تاکہ دیکھنے والے سمجھیں

بَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا

کہ اسکو قرآن سے بہت زیادہ کراہت ہے) اور زیادہ منہ بنایا اور پھر منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا پھر بولا کہ بس یہ تو جادو ہے (جو اوروں سے) منقول (ہے)

إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي

بس یہ تو آدمی کا کلام ہے اس کو جلدی دوزخ میں داخل کروں گا اور تم کو کچھ خبر بھی ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے (مقصود اس سے

وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾

تہویل ہے وہ ایسی ہے کہ) نہ تو باقی رہنے دیگی اور نہ چھوڑے گی (اور) وہ (جلاکر) بدن کی حیثیت بگاڑ دے گی

ایک خاص اعلان جس خبیث شخص نے خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کیا اور قرآن مجید کو انسانی قول کہا اُس کی سزاؤں کا ذکر ہورہا ہے پہلے جو نعمتیں اُس پر انعام ہوئی ہیں اُن کا بیان ہورہا ہے کہ یہ تن تنہا خالی ہاتھ دنیا میں آیا تھا مال اولاد کچھ ساتھ نہ تھا پھر خدا تعالیٰ نے اسے مالدار بنا دیا، ہزاروں لاکھوں دینار زر زمین وغیرہ عنایت فرمائی اور باعتبار اقوال کے تیرہ اور بعض اور اقوال کے دس لڑکے دئیے جو سب کے سب اُس کے پاس بیٹھے رہتے تھے نوکر چاکر لونڈی غلام کام کاج کرتے رہتے اور یہ مزے سے اپنی زندگی اپنی اولاد کے ساتھ گزارتا، غرض دھن دولت لونڈی غلام بال بچے آرام آسائش ہر طرح کی مہیا تھی[1] پھر بھی خواہش نفس پوری نہ ہوتی تھی اور چاہتا تھا کہ خدا اور بڑھا دے حالانکہ ایسا اب نہ ہوگا، یہ ہماری باتوں کے علم کے بعد کفر اور سرکشی کرتا ہے اسے تو صعود پر چڑھایا جائیگا مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں کافر کو گرایا جائے گا چالیس سال تک اندر ہی اندر جاتا رہیگا لیکن پھر بھی تہ تک نہ پہنچے گا۔ اور صعود جہنم کے ایک ناری پہاڑ کا نام ہے جس پر کافر کو چڑھایا جائے گا ستر سال تک تو چڑھتا ہی رہیگا پھر وہاں سے نیچے گرادیا جائیگا ستر سال تک نیچے لڑھکتا رہیگا اور اسی ابدی سزا میں گرفتار ہوگا یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے غریب کہتے ہیں، ساتھ ہی اس میں نکارت بھی ہے، ابن ابی حاتم میں ہے کہ صعود جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو آگ کا ہے اسے مجبور کیا جائے گا کہ اس پر چڑھے ہاتھ رکھتے ہی گھل جائے گا اور اُٹھاتے ہی بدستور ہو جائے گا، اسی طرح پاؤں بھی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صعود جہنم کی ایک چٹان کا نام ہے جس پر کافر کو منہ کے بل گھسیٹا

[1] امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ دنیاداروں کے نزدیک مال اور مرتبہ دو ہی دنیا کی سب سے بڑی نعمتیں ہیں گویا اس ملعون کو یہ دونوں چیزیں دیگر کامل درجہ میں دنیاوی دی گئی تھیں۔ انما النعمت علیہ تعلق الجاہ والمال واجتماعهما هو الكمال عند اهل الدنيا۔

جائے گا، سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ پتھر بڑا چکنا ہے جس پر آدمی پھسل جاتا ہے مجاہدؒ کہتے ہیں کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم اُسے مشقت والا عذاب کریں گے، قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا عذاب جس میں اور جس سے کبھی بھی راحت حاصل نہ ہو، امام ابن جریرؒ اسی توجیہ کو پسند فرماتے ہیں، پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اس تکلیف دہ عذاب سے اسلئے قریب کر دیا کہ وہ ایمان سے بہت دور تھا وہ سوچ سوچ کر نو.. گھڑ رہا تھا کہ وہ قرآن کو کیا کہے اور کیا بات بنائے، پھر اس پر افسوس کیا جاتا ہے اور محاورۂ عرب کے مطابق اس کی ہلاکت کے کلمے کہے جاتے ہیں کہ یہ غارت کر دیا جائے یہ برباد کر دیا جائے کتنا بد کلام ہو جا اور کتنی بے حیائی کی جھوٹ بات گھڑ نکالی، بار بار کے غور و فکر کے بعد پیشانی پر بل ڈال ڈال کر منہ بگاڑ بگاڑ کر حق سے ہٹ کر بھلائی سے منہ موڑ کر اطاعت خدا سے سر پھیر کر دل کڑا کر کے صاف کہدیا کہ یہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پہلے لوگوں کا جادو یا منتر وغیرہ نقل کر لیا کرتے ہیں اور اسی کو سُنا رہے ہیں کہ یہ کلام خدا نہیں بلکہ انسانی قول ہے اور جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے اس ملعون کا نام ولید بن مغیرہ مخزومی تھا جو قریش کا سردار تھا، حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ ولید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور خواہش ظاہر کی کہ آپ کچھ قرآن سنائیں، حضرت صدیق اکبرؓ نے چند آیتیں پڑھ کر سنائیں جو اس کے دل میں گھر کر گئیں جب یہاں سے نکلا اور گروہ قریش کے مجمع میں پہنچا تو کہنے لگا لوگو! تعجب کی بات ہے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو قرآن پڑھتے ہیں خدا کی قسم نہ تو وہ شعر ہے نہ جادو منتر ہے نہ مجنونانہ بڑ ہے بلکہ واللہ وہ تو خاص خدائے تعالیٰ کا کلام ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے قریشیوں نے یہ سُنکر سر پکڑ لیا اور کہنے لگے اگر یہ مسلمان ہو گیا تو بس پھر قریش میں سے ایک بھی اسلام لائے بغیر باقی نہ رہے گا، ابو جہل کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا گھبراؤ نہیں دیکھو میں ایک ترکیب سے اُسے اسلام سے پھیر دوں گا، یہ کہتے ہی اپنے ذہن میں ایک ترکیب سوچ کر یہ ولید کے گھر پہنچا اور کہنے لگا آپ کی قوم نے آپ کے لئے چندہ کر کے بہت سا مال جمع کر لیا ہے اور وہ آپ کو صدقہ میں دینے والے ہیں، اُس نے کہا واہ کیا مزے کی بات ہے مجھے ان کے چندوں اور صدقوں کی کیا ضرورت ہے، دنیا جانتی ہے کہ اُن سب میں مجھ سے زیادہ مال و اولاد والا کوئی نہیں، ابو جہل نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن لوگوں میں ایسی باتیں ہو رہی ہیں کہ آپ جو ابوبکرؓ کے پاس آتے جاتے ہیں وہ صرف اس لئے کہ اُن سے کچھ حاصل وصول ہو، ولید نے کہا او ہو میرے خاندان میں میری نسبت یہ چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں مجھے مطلق معلوم نہ تھا اچھا اب قسم خدا کی نہ میں ابوبکرؓ کے پاس جاؤں گا نہ عمرؓ کے پاس جاؤں گا اور نہ رسولؐ کے پاس جاؤں گا، اور وہ تو جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں یعنی ذَرْنِیْ سے لَا تَذَرُ تک حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس نے کہا تھا کہ میں قرآن کے بارے میں بہت کچھ غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شعر تو نہیں اس میں حلاوت ہے اس میں چمک ہے یہ غالب ہے مغلوب نہیں لیکن ہے یقیناً جادو، اس پر یہ آیتیں اُتریں، ابن جریر میں ہے کہ ولید حضور علیہ السلام کے پاس آیا تھا اور قرآن سُنکر اس کا دل نرم پڑ گیا تھا اور پورا اثر ہو چکا تھا جب ابو جہل کو یہ معلوم ہوا تو دوڑا بھاگا آیا اور اس ڈر سے کہ کہیں یہ مسلمان نہ ہو جائے اُسے بھڑکانے کے لئے جھوٹ بولنے لگا، کہ چچا آپ کی قوم آپ کے لئے مال جمع کرنا چاہتی ہے، پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ آپ کو دیں اور آپ کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جانا چھڑوائیں کیونکہ آپ وہاں مال حاصل کرنے کی غرض سے ہی جاتے آتے ہیں اس نے غصہ میں آ کر کہا کہ میری قوم کو معلوم نہیں کہ میں اُن سب سے زیادہ مالدار ہوں؟ ابو جہل نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس وقت تو لوگوں کا یہ خیال پختہ ہو گیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مال حاصل کرنے کی غرض سے آپ اُن کے ہو گئے ہیں۔ اگر آپ

ﻋﮧ خاکسار مترجم کو اس روایت کے قبول کرنے میں کچھ تردد ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال و دولت کہاں دھری تھی کہ آپ کسی کو اس طرح تقسیم فرماتے اسلئے کسی شخص کو آپؐ یا اسلام سے برگشتہ کرنے کیلئے حصول مال و دولت کا طعنہ دینا کوئی زیادہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے تاہم اگر کسی صحیح روایت یا واقعی تاریخی اسناد اس روایت کو حاصل ہو تو پھر ہمارے قیاسات سب غلط ہیں اور بات وہی صحیح ہو گی جو تاریخ و روایت سے ثابت ہو۔

چاہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کے دلوں سے اُٹھ جائے تو آپ اس کے بدلے میں کچھ سخت الفاظ کہیں تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ آپ اُس کے مخالف ہیں اور آپ کو اُس سے کوئی طمع نہیں ہے، اُس نے کہا بھئی بات تو یہ ہے کہ میں نے جو قرآن مجھے سنایا ہے قسم ہے خدا کی نہ وہ شعر ہے نہ قصیدہ اور رجز ہے نہ جنات کا قول اور اُن کے اشعار ہیں تمہیں خوب معلوم ہے کہ جنات اور انسان کا کلام مجھے خوب یاد ہے میں خود نامی شاعر ہوں، کلام کے حسن و قبح سے خوب واقف ہوں لیکن خدا کی قسم محمدؐ کا کلام اس میں سے کچھ بھی نہیں اللہ جانتا ہے اُس میں عجیب حلاوت اور مٹھاس لذت شیفتگی اور دلبری ہے کہ وہ تمام کلاموں کا سردار ہے اُس کے سامنے اور کوئی کلام چچتا نہیں وہ سب پر چھا جاتا ہے اس میں کشش بلندی اور جذب ہے اب تم ہی بتلاؤ کہ میں اس کلام کی نسبت کیا کہوں؟ ابو جہل نے کہا سنو جب تک تم اُسے برائی کے ساتھ یاد نہ کرو گے تمہاری قوم کے خیالات تمہاری نسبت صاف نہیں ہوں گے، اُس نے کہا تو مجھے مہلت دو میں سوچ کر اس کی نسبت کوئی ایسا کلمہ کہوں گا چنانچہ سوچ ساچ کر قومی حمیت اور ناک رکھنے کی خاطر اس نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے جسے وہ نقل کرتا ہے اس پر ذَرْنِي سے تِسْعَةَ عَشَرَ تک کی آیتیں اُتریں،

سدیؒ کہتے ہیں کہ دار الندوہ میں مشرکان سب لوگوں نے مشورہ کیا کہ موسم حج پر لوگ جمع ہو آئیں گے تو بتلاؤ انھیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت کیا کہیں؟ کوئی ایسی بات تجویز کرو کہ سب یک زبان وہی بات کہیں تاکہ عرب بھر میں اور پھر اور جگہ بھی وہی مشہور ہو جائے تو اب کسی نے شاعر کہا کسی نے جادوگر کہا کسی نے کاہن اور نجومی کہا کسی نے مجنون اور دیوانہ کہا، ولید بیٹھا سوچتا رہا اور غور و فکر کر کے دیکھ بھال کر تیوری چڑھا کر اور منہ بنا کر کہا اگلے جادوگروں کا قول ہے جسے یہ نقل کر رہا ہے، قرآن کریم میں اور جگہ ہے اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝ یعنی ذرا دیکھ تو سہی تیری کیسی کیسی مثالیں گھڑتے ہیں لیکن بہک بہک کر رہ جاتے ہیں اور کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

اب اس کی سزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ میں اسے جہنم کی آگ میں غرق کر دوں گا جو زبردست خوفناک عذاب کی آگ ہے جو گوشت پوست کو رگ پٹھوں کو کھا جاتی ہے پھر وہ سب نئے آ جاتے ہیں اور پھر جلائے جاتے ہیں، نہ موت آئیگی نہ راحت والی زندگی ملے گی، کھال اُدھیڑ دینے والی وہ آگ ہے جو ایک ہی لپٹ میں جسم کو رات سے زیادہ سیاہ کر دیتی ہے، جسم و جلد کو جھلس دیتی ہے، اُنیس ۱۹ اُنیس ۱۹ داروغے اُس پر مقرر ہیں جو نہ تھکیں نہ رحم کریں۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ چند یہودیوں نے صحابہؓ سے پوچھا۔ بتلاؤ تو جہنم کے داروغوں کی تعداد کیا ہے؟ اُنھوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، پھر کسی شخص نے آکر حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا اُسی وقت آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ نازل ہوئی، آپؐ نے صحابہؓ کو سنا دی اور فرمایا ذرا اُنھیں میرے پاس تو لاؤ میں بھی اُن سے پوچھوں کہ جنت کی مٹی کیا ہے؟ فرمایا سنو وہ سفید میدہ کی طرح ہے پھر یہودی آپؐ کے پاس آئے اور آپؐ سے پوچھا کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے دونوں ہاتھ کی انگلیاں دو دفعہ جھکائیں دوسری دفعہ میں انگوٹھا روک لیا یعنی اُنیس ۱۹، پھر آپؐ نے فرمایا تم بتلاؤ کہ جنت کی مٹی کیا ہے؟ اُنھوں نے ابن سلام سے کہا آپ ہی کہیئے، ابن سلامؓ نے کہا گویا وہ سفید روٹی ہے، آپؐ نے فرمایا یاد رکھو یہ سفید روٹی وہ جو خالص میدے کی ہو، (ابن ابی حاتم) مسند بزار میں ہے کہ جس شخص نے حضورؐ کو صحابہؓ کے لاجواب ہو جانے کی خبر دی تھی اُس نے آکر کہا تھا کہ آج تو آپؐ کے اصحابؓ ہار گئے، فرمایا کیسے؟ اُس نے کہا اُن سے جواب نہ بن پڑا اور کہنا پڑا کہ ہم اپنے نبیؐ سے پوچھ لیں آپؐ نے فرمایا بھلا وہ بھی ہارے ہوئے کہے جا سکتے ہیں جن سے وہ بات پوچھی جاتی ہے جسے وہ نہیں جانتے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے نبیؐ سے پوچھ کر جواب دیں گے، ان یہودیوں کو دشمنانِ خدا کو ذرا! میرے پاس تو لاؤ، ہاں انھوں نے اپنے نبیؐ سے خدا کو دیکھنے کا سوال کیا تھا جس پر عذاب بھیجا گیا تھا، اب یہود بلوائے گئے جواب دیا گیا اور حضورؐ کے سوال پر یہ بڑے جھکا گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ

(اور اس پر انیس فرشتے دوزخ کے خازن مقرر ہیں) اور ہم نے دوزخ کے داروغہ فرشتے بنائے ہیں [illegible] اور ان کی تعداد [illegible]

كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِيْمَانًا وَّلَا

[illegible] (یعنی) کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہو اور اس لئے تاکہ اہل کتاب یقین کریں اور اہل ایمان کا ایمان اور بڑھ جائے اور اہل کتاب

وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ

اور مومن شک نہ کریں اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے وہ اور کافر کہنے لگیں کہ اس

وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي

عجیب مضمون سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصود ہے (جس طرح اس خاص باب میں خدا تعالیٰ نے کافروں کو گمراہ کیا) اسی طرح اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے گمراہ

مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾ كَلَّا وَ

کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے اور یہ (انیس فرشتوں کا مقرر ہونا کسی حکمت کے سبب ہے ورنہ) تمہارے رب کے لشکروں (یعنی فرشتوں کی تعداد) کو بجز رب کے کوئی نہیں جانتا اور

الْقَمَرِ ﴿١﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٢﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٤﴾ نَذِيرًا

(دوزخ کا حال بیان کرنا) صرف آدمیوں کی نصیحت کیلئے ہے بالتحقیق قسم ہے چاند کی اور رات کی جب جانے لگے اور صبح کی جب روشن ہو جائے کہ وہ دوزخ بڑی بھاری چیز ہے جو انسان

لِلْبَشَرِ ﴿٥﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٦﴾

کیلئے ڈراوا ہے (یعنی) تم میں جو آگے (کو) بڑھے اس کے لئے بھی یا جو (خیر سے) پیچھے کو ہٹے۔

آزمائش

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عذاب کے دیکھنے والے اور جہنم کی نگہبانی پر ہم نے فرشتے مقرر کئے ہیں جو رحم نہ کرنے والے سخت کلامی کرنے والے ہیں، اس میں مشرکین قریش کی تردید ہے جس وقت جہنم کے داروغوں کی تعداد بتلائی گئی تو ابو جہل نے کہا اے قریشیو! اگر یہ انیس ہیں تو زیادہ سے زیادہ ایک سو تو سے ہم مل کر انہیں ہرا دیں گے، اس پر کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتے ہیں انسان نہیں جنہیں تم ہرا سکو گے نہ تھکا سکو گے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابو الاشدین جسکا نام کلدہ بن اسید بن خلف تھا اس نے اس تعداد کو سنکر کہا کہ قریشیو! تم سب مل کر ان میں سے دو کو روک لینا باقی سترہ کو میں کافی ہوں، یہ بڑا مغرور شخص تھا اور ساتھ ہی بڑا قوی تھا یہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا پھر دس طاقتور شخص مل کر اسے اس کے پیروں تلے سے نکالنا چاہتے کھال کے ٹکڑے اڑ جاتے لیکن اس کے قدم جنبش بھی نہ کرتے، یہی شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کہا تھا کہ آپ مجھ سے کشتی لڑیں اگر آپ نے مجھے گرا دیا تو میں آپ کی نبوت کو مان لوں گا، چنانچہ حضور نے اس سے کشتی لڑی اور کئی بار اس کو گرایا لیکن اسے ایمان لانا نصیب نہ ہوا، امام ابن اسحٰق نے کشتی والا واقعہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب کا بتایا ہے، میں کہتا ہوں ان دونوں میں کچھ منافات نہیں ممکن ہے کہ اس سے اور اس سے دونوں سے کشتی ہوئی ہو، واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ اس گنتی کا ذکر تھا ہی امتحان کے لئے، ایک طرف کافروں کا کفر کھل پڑا، دوسری جانب اہل کتاب کا یقین کامل ہو گیا کہ اس رسول کی رسالت حق ہے کیونکہ خود ان کی کتاب میں بھی یہی گنتی ہے، تیسری طرف ایماندار اپنے ایمان میں کامل ہو گئے، حضور کی بات کی تصدیق کی اور ایمان بڑھا، اہل کتاب اور مسلمانوں کو کوئی شک و شبہ نہ رہا بیمار دل منافق چیخ اٹھے کہ بھلا بتلاؤ کہ اسے یہاں ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی ہی باتیں بہت سے لوگوں کے ایمان کی مضبوطی کا سبب بن جاتی ہیں اور بہت سے لوگوں کے شبہ والے دل اور ڈانوا ڈول ہو جاتے ہیں خدا تعالیٰ کے یہ سب کام حکمت سے اور اسرار سے پر ہیں، تیرے رب کے لشکروں کی گنتی اور ان کی صحیح تعداد اور ان کی کثرت کا کسی کو علم نہیں وہی خوب جانتا ہے یہ نہ سمجھ کر بس انیس ہی ہیں، جیسے یونانی فلسفیوں اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے سمجھ لیا کہ اس سے مراد عقول عشرہ اور نفوس تسعہ ہیں، حالانکہ یہ صرف

ایسی سخت کلامی ہے جیسا کہ ہمارے یہاں کی پولیس مجرمین کے ساتھ کرتی ہے کہ دیکھنے والوں کو ناگوار معلوم ہوتا ہے حالانکہ بعض اوقات مجرم کے لئے سب سے بڑھ کر سزا یہی تلخ کلامی ثابت ہوتی ہے۔

ان کا دعویٰ ہے جس پر دلیل قائم کرنے سے وہ بالکل عاجز ہیں، افسوس کہ آیت کے اول پر تو ان کی نظریں ہیں لیکن آخری حصہ کے ساتھ وہ کفر کر رہے ہیں جہاں صاف الفاظ موجود ہیں کہ تیرے رب کے لشکروں کو سوا اس کے کوئی نہیں جانتا، پھر انیس۱۹ حرف کے کیا معنی؟ صحیحین کی معراج والی حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں، اسی طرح دوسرے روز دوسرے ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں، اسی طرح ہمیشہ تک، لیکن فرشتوں کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ جو آج گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آنے کی، مسند احمد میں ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان چرچرا رہے ہیں اور انہیں چرچرانے کا حق ہے، ایک انگلی ٹکانے کی جگہ ایسی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہو اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے بہت زیادہ روتے، اور بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ لذت نہ پا سکتے، بلکہ فریاد و زاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہوتے، اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے بے ساختہ نکل جاتا کہ کاش کہ میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں، اور حضرت ابوذرؓ سے موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے طبرانی میں ہے کہ ساتوں آسمانوں میں قدم رکھنے کی بالشت بھر یا ہتھیلی جتنی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام کی یا رکوع کی یا سجدے کی حالت میں نہ ہو، پھر بھی یہ سب کل قیامت کے دن کہیں گے کہ خدایا تو پاک ہے ہمیں جس قدر تیری عبادت کرنی چاہیے تھی، اتنی ہم سے ہو نہ سکی، البتہ ہم نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا، امام محمد بن نصر مروزیؒ کی کتاب "الصلوٰۃ" میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ کیا جو میں سن رہا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا یا رسول اللہؐ ہمیں تو کچھ سنائی نہیں دیتا، آپؐ نے فرمایا آسمانوں کا چرچرا بولنا میں سن رہا ہوں اور انکو اس چرچراہٹ پر ملامت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس پر اس قدر فرشتے ہیں کہ ایک بالشت بھر جگہ خالی نہیں؎، کہیں کوئی رکوع میں ہے اور کہیں کوئی سجدے میں، دوسری روایت میں ہے کہ آسمان دنیا میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں سجدے میں یا قیام میں کوئی فرشتہ نہ ہو، اسی لئے فرشتوں کا یہ قول قرآن کریم میں موجود ہے وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ○ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ○ یعنی ہم میں سے ہر ایک کے لئے جگہ مقرر ہے، اور ہم صفیں باندھنے والے اور خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے والے ہیں، اس حدیث کا مرفوع ہونا بہت ہی مشتبہ ہے دوسری روایت میں یہ قول حضرت ابن مسعودؓ کا بیان کیا گیا ہے، ایک اور سند سے روایت حضرت علاء بن سعدؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے یہ صحابی فتح مکہ میں اور اس کے بعد کے جہادوں میں حضورؐ کے ساتھ تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ، لیکن سنداً یہ بھی غریب ہے، ایک اور بہت ہی غریب بلکہ سخت منکر حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے نماز کھڑی ہوئی تھی اور تین شخص بیٹھے ہوئے تھے جن میں کا ایک ابو جحش لیثی تھا آپ نے فرمایا اٹھو حضورؐ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو جاؤ تو دو شخص تو کھڑے ہو گئے لیکن ابو جحش کہنے لگا اگر کوئی ایسا شخص آئے جو طاقت و قوت میں مجھ سے زیادہ ہو اور مجھ سے کشتی لڑے اور مجھے گرا دے پھر میرا منہ مٹی میں ملا دے تو تو میں اٹھوں گا ورنہ نہیں اٹھ سکتا حضرت عمرؓ نے فرمایا اور کون آئیگا آجا میں تیار ہوں، چنانچہ کشتی ہونے لگی اور میں نے اسے بچھاڑا پھر اس کے منہ کو مٹی میں ملا دیا اتنے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے اور اسے میرے ہاتھ سے چھڑا دیا، میں بڑا بگڑا اور اسی غصہ کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا ابو حفصؓ آج کیا بات ہے؟ میں نے تمام واقعہ کہہ سنایا آپؐ نے فرمایا اگر عمرؓ اس سے خوش ہوتا تو اس پر رحم کرتا خدا کی قسم میرے نزدیک تو اس خبیث کا سر تو اتار لیتا تو اچھا تھا۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ یونہی وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی طرف لپکے خاصی دور نکل چکے تھے جو حضورؐ نے انہیں آواز دی اور فرمایا بیٹھو سن تو کہ خدا ابو جحش کی نماز سے بالکل بے نیاز ہے، آسمان دنیا میں خشوع وخضوع والے بے شمار فرشتے خدا کے سامنے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں جو قیامت تک سر ہی نہیں اٹھانے کے، قیامت کو سجدے سے سر اٹھائیں گے اور یہ کہتے ہوئے حاضر ہوں گے اے ہمارے رب ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا، اسی طرح دوسرے آسمان میں بھی یہی حال ہے، حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ حضورؐ ان کی تسبیح کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا

؎ گویا کہ چرچراہٹ بکثرت اجتماع کی وجہ سے تھی جیسا کہ کسی جگہ بہت سی لوگ جمع ہو جائیں تو وہ چارپائی، چھت حیوانوں کی کثرت کے بوجھ سے بولنے لگتی ہے۔

آسمان دنیا کے فرشتے تو کہتے ہیں سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ ۰ اور دوسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ ۰ اور تیسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ ۰ عمرؓ تم بھی اپنی نماز میں اسے کہا کرو، حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! اس سے پہلے جو پڑھنا آپؐ نے سکھایا ہے اور جس کے پڑھنے کو فرمایا ہے اس کا کیا ہوگا؟ فرمایا کبھی یہ کہو کبھی وہ پڑھو، پہلے جو پڑھنے کو آپؐ نے فرمایا تھا وہ یہ تھا اَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ جَلَّ وَجْھُکَ ۰ یعنی خدایا تیرے عذابوں سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ پکڑتا ہوں تیرا چہرہ جلالی والا ہے، یہ حدیث غریب ہے۔ عبداللہ بن جعفر رازی جو راوی حدیث ہے اس سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں اور امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں ثقہ راویوں میں گنتے ہیں لیکن حضرت امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ، امام عقیلیؒ اور امام دارقطنیؒ انہیں ضعیف کہتے ہیں، امام ابوحاتم رازیؒ فرماتے ہیں، تھے تو یہ سچے مگر نابینا ہوگئے تھے اور کبھی کبھی تلقین قبول کرلیا کرتے تھے ہاں ان کی کتابوں کی مرویات صحیح ہیں، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ مضطرب ہیں اور ان کے استاد عبدالملک بن قدامہ ابو قتادہ جمحی میں بھی کلام ہے، تعجب ہے کہ امام محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اس حدیث کو کیسے روایت کردیا؟ اور نہ تو اس پر کلام کیا نہ اس کے حال کو معلوم کرایا نہ اس کے بعض راویوں کے ضعف کو بیان کیا ہاں اتنا تو کیا ہے کہ اسے دوسری سند سے مرسلاً روایت کردیا ہے اور مرسل کی دو سندیں لائے ہیں، ایک حضرت سعید بن جبیرؒ سے، دوسری حضرت حسن بصریؒ سے پھر ایک اور روایت لائے ہیں کہ حضرت عدی بن ارطاۃؒ نے مدائن کی جامع مسجد میں اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں نے ایک صحابیؓ سے سنا ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے فرشتے ہیں جو ہر وقت خوف خدا سے کپکپاتے رہتے ہیں ان کے آنسو گرتے رہتے ہیں اور وہ ان فرشتوں پر ٹپکتے ہیں جو نماز میں مشغول ہیں اور ان میں ایسے فرشتے بھی ہیں جو ابتدا دنیا سے رکوع میں ہی ہیں اور بعض سجدے میں ہی ہیں قیامت کے دن اپنی پیٹھ اور اپنا سر اٹھائیں گے اور نہایت عاجزی سے جناب باری میں عرض کریں گے کہ خدایا تو پاک ہے ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہوسکا، اس حدیث کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ آگ جس کا وصف تم سن چکے یہ لوگوں کے لئے سراسر باعث عبرت و نصیحت ہے۔ پھر چاند کی رات کے جانے کی صبح کے روشن ہونے کی قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ وہ آگ ایک زبردست اور بہت بڑی چیز ہے جو اس اطلاع عذاب کو قبول کر کے حق کی راہ لگ جائے جو چاہے باوجود اس کے بھی حق کو پیٹھ ہی دیتا رہے اور اس سے دور بھاگتا رہے اور اسے رد کرتا رہے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝٧ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝٨ فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ

ہر شخص اپنے (اعمال و کفریہ) کے بدلے میں (دوزخ میں) محبوس ہوگا مگر داہنے والے گروہ بہشتوں میں ہوں گے (وہ) مجرموں (یعنی کفار) کا حال (خود ان کفار سے)

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝١٠ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝١١ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝١٢ وَلَمْ نَكُ

پوچھتے ہوں گے (یعنی مومنین کفار سے پوچھیں گے) کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا وہ کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو (جس کا

نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝١٣ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝١٤ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ

حق واجب تھا) کھانا کھلایا کرتے تھے اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی (اس) مشغلہ میں رہا کرتے تھے اور قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ

الدِّيْنِ ۝١٥ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝١٦ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝١٧ فَمَا لَهُمْ

(اسی حالت میں) ہم کو موت آگئی سو (اس حالت مذکورہ میں) ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی اور جب کفر و اعراض کی بدولت ان کی یہ گت بنے

عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝١٨ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝١٩ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ

والی ہے) تو ان کو کیا ہوا کہ اس نصیحت (قرآن) سے رو گردانی کرتے ہیں کہ گویا وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۖ بَل لَّا يَخَافُونَ

بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے (آسمانی) نوشتے دیے جائیں گے (اس بیہودہ خواہش کا وجہ یہ ہے کہ یہ) ہرگز نہیں ہو سکتا)

الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَن

بلکہ یہ لوگ آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے (اسی لیے) ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ قرآن تو ایک نصیحت ہے (کافی) پس جس کا جی چاہے اس نصیحت سے نصیحت حاصل کرے

يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾ ع ۲ ۲۵ ۱۶

اور بدون خدا کے چاہے یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کرینگے وہی ہے جس (کے عذاب) سے ڈرنا چاہیے اور وہی ہے (جو بندوں کے گناہ) معاف کرتا ہے۔

انسان اور اس سے محاسبہ

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال میں قیامت کے دن جکڑا بندھا ہوگا لیکن جن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ آیا ہے وہ جنت کے بالاخانوں میں چین سے بیٹھے ہوئے جہنمیوں کو بدترین عذابوں میں دیکھ کر ان سے پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے نہ تو رب کی عبادت کی نہ مخلوق کے ساتھ احسان کیا بغیر علم کے جو زبان پر آیا بکتے رہے جہاں کسی کو اعتراض کرتے سنا ہم بھی ساتھ ہو گئے اور باتیں بنانے لگ گئے اور قیامت کے دن کی تکذیب ہی کرتے رہے یہاں تک کہ موت آ گئی۔ یقین کے معنے موت کے اس آیت میں بھی ہیں وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ یعنی موت کے وقت تک خدا کی عبادت میں لگا رہ۔ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی نسبت حدیث میں بھی یقین کا لفظ آیا ہے۔ اب خدائے عالم فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کو کسی کی سفارش اور شفاعت نفع نہ دیگی اسلئے کہ شفاعت وہاں نافع ہوتی ہے جہاں محل شفاعت ہو لیکن جس کا دم ہی کفر پر نکلا ہو اس کے لئے شفاعت کہاں؟ وہ ہمیشہ کے لئے ہاویہ میں گئے۔ پھر فرمایا کیا بات ہے؟ کونسی وجہ ہے؟ کہ یہ کافر تیری نصیحت اور دعوت سے منہ پھیر رہے ہیں اور قرآن حدیث سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شکاری شیر سے، فارسی زبان میں جسے شیر کہتے ہیں اسے عربی زبان میں اَسَد کہتے ہیں اور حبشی زبان میں قَسْوَرَۃ کہتے ہیں اور نبطی زبان میں اویا، پھر فرماتا ہے کہ یہ مشرکین تو چاہتے ہیں کہ ان کے ہر ہر شخص پر علیحدہ علیحدہ کتاب اترے، جیسے اور جگہ ان کا مقولہ ہے حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ الخ یعنی جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ وہ نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ رسالت کے قابل کون ہے؟ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم بغیر عمل کے چھوڑ دیا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دراصل وجہ یہ ہے کہ انھیں آخرت کا خوف ہی نہیں کیونکہ انھیں اس کا یقین نہیں اس پر ایمان نہیں بلکہ اسے جھٹلاتے ہیں تو ڈرتے کیوں؟ پھر فرمایا سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن محض نصیحت وموعظت ہے جو چاہے عبرت حاصل کرلے اور نصیحت پکڑ لے، جیسے فرمان ہے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۝ یعنی تمہاری چاہتیں خدا تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں۔ پھر فرمایا اسکی ذات اس قابل ہے کہ اس سے خوف کھایا جائے اور وہی ایسا ہے کہ ہر رجوع کرنے والے کی توبہ قبول فرمالے، مسند احمد میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ میں اس کا حقدار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے اور میرے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے جو میرے ساتھ شریک بنانے

ف۵ نیکی سے جو کلام شروع ہوا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصحاب یمین محاسبہ کے قانون سے مستثنیٰ ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصحاب یمین پر وہ عتاب نہ ہوگا جو بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال رکھنے والوں پر ہوگا ف۶ یعنی نہ تو حقوق اللہ ہی ادا کئے اور نہ حقوق العباد بلکہ سب سے بڑی حقیقت یعنی قیامت ہی کے منکر رہے۔

سے بچ گیا تو وہ میری بخشش کا مستحق ہو گیا، ابن ماجہ اور نسائی اور ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے، اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن غریب کہتے ہیں، سہیل اس کا راوی قوی نہیں، اللہ تعالیٰ کے احسان سے سورۂ مدثر کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ فالحمد للہ۔

تفسیر سورۂ قیامہ مکیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

لَاۤ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَلَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے (آگے منکرین بعث پر رد ہے یعنی) کیا انسان

الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ

خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے ہم ضرور جمع کریں گے اور یہ جمع کرنا ہم کو کچھ دشوار نہیں کیونکہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پوریوں تک درست کر دیں بلکہ بعضا آدمی

يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ

(قیامت کا منکر ہو کر) یوں چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی بے خوف و خطر ہو کر فسق و فجور کرتا رہے (اسی لئے بطور انکار کے) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئیگا سو جس وقت (مارے

الْبَصَرُ ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ

حیرت کے) آنکھیں خیرہ ہو جاویں گی اور چاند بے نور ہو جائیگا اور (چاند کی کیا تخصیص ہے بلکہ) سورج اور چاند دونوں (ایک حالت کے) ہو جاویں گے (یعنی دونوں بے نور ہو جاویں گے)

يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ اِۨلْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ

اس روز انسان کہیگا کہ اب کدھر بھاگوں ہرگز بھاگنا ممکن نہیں کیونکہ کہیں پناہ کی جگہ نہیں اس روز صرف آپ ہی کے رب کے پاس ٹھکانا ہو جائیگا (پھر) اس روز انسان کو اس کا

بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

سب اگلا پچھلا کیا ہوا جتلا دیا جائیگا (اور انسان کو پورا علم کرا دیا جائیگا چنانچہ اس جتلانے پر موقوف نہ ہوگا) بلکہ انسان خود اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا گو (باقتضائے طبیعت اس وقت بھی) بہانے بنائے۔

ذرا سنو تو سہی: بقسم یہ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ جس چیز پر قسم کھائی جائے اگر وہ رد کرنے کی چیز ہو تو قسم سے پہلے لا کو کلمہ نفی کی تائید کے لئے لانا جائز ہوتا ہے، یہاں قیامت کے ہو سکنے پر اور جاہلوں کے اس قول کی تردید پر کہ قیامت نہ ہوگی قسم کھائی جا رہی ہے تو فرماتا ہے قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے ملامت کرنے والی جان کی، حضرت حسنؒ تو فرماتے ہیں کہ قیامت کی قسم ہے اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں ہے، حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کی قسم ہے، حسن اور اعرج کی قرأت لَاُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ہے اس سے بھی حضرت حسنؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک پہلے کی

قسم ہے اور دوسرے کی نہیں، لیکن صحیح قول یہی ہے کہ دونوں کی قسم کھائی ہے جیسے کہ حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے اور امام ابن جریرؒ کا مختار قول بھی یہی ہے۔ یوم قیامت کو تو ہر شخص جانتا ہی ہے۔ نفس لوامہ کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مومن کا نفس ہے کہ وہ ہر وقت اپنے آپ کو ملامت ہی کرتا رہتا ہے کہ یوں کیوں کہدیا؟ یہ کیوں کھالیا؟ یہ خیال دل میں کیوں آیا؟ ہاں فاسق فاجر غافل ہوتا ہے اُسے کیا پڑی ہے جو اپنے نفس کو ٹوکے، یہ بھی مروی ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق اپنے آپ کو ملامت کرے گی، خیر والے خیر کی کمی پر اور شر والے شر کے سرزد ہو جانے پر، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مذموم نفس ہے جو نافرمان ہو۔ فوت شدہ پر نادم ہونے والا اور اس پر ملامت کرنے والا، امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب اقوال قریب المعنی ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ وہ نفس والا ہے جو نیکی کی کمی پر برائی کے ہو جانے پر اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے اور فوت شدہ پر ندامت کرتا ہے؟ پھر فرماتا ہے کہ کیا انسان یہ سوچے ہوئے ہے کہ ہم قیامت کے دن اُس کی ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر نہ ہوں گے، یہ تو نہایت غلط خیال ہے ہم اُسے متفرق جگہ سے جمع کر کے دوبارہ کھڑا کریں گے اور اُس کی پور پور بنادیں گے، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی ہم قادر ہیں کہ اُسے اُونٹ یا گھوڑے کے تلوے کی طرح بنادیں، امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یعنی دنیا میں بھی اگر ہم چاہتے اُسے ایسا کر دیتے، آیت کے لفظوں سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قٰدِرِیْنَ حال ہے نَّجْمَعَ سے، یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیاں نہ جمع کریں گے؟ ہاں ہاں عنقریب جمع کریں گے درآنحالیکہ ہمیں اُن کے جمع کرنے کی قدرت ہے، بلکہ اگر ہم چاہیں تو جتنا یہ تھا اُس سے بھی کچھ زیادہ بنا کر اُسے اُٹھائیں اُس کی انگلیوں کے سرے برابر کر کے، ابن قتیبہ اور زجاج کے قول کے یہی معنی ہیں، پھر فرماتا ہے کہ انسان اپنے آگے فسق و فجور کرنا چاہتا ہے قدم بہ قدم بڑھ رہا ہے امیدیں باندھے ہوئے کہتا جاتا ہے گناہ کر لوں معاف کیا ہے توبہ بھی ہو جائیگی قیامت کے دن سے جو اُس کے آگے ہے کفر کرتا ہے، وہ گویا اپنے سر پر سوار ہو کر آگے بڑھ رہا ہے، ہر وقت یہی پایا جاتا ہے کہ ایک ایک قدم اپنے نفس کو خدا کی معصیت کی طرف بڑھاتا جاتا ہے مگر جس پر رب کا رحم ہے۔ اکثر سلف کا قول اس آیت کی تفسیر میں یہی ہے کہ گناہوں میں جلدی کرتا ہے اور توبہ میں تاخیر کرتا ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یوم حساب سے انکاری ہے۔ ابن زیدؒ بھی یہی کہتے ہیں اور یہی ظاہر مراد ہے کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ وہ پوچھتا ہے قیامت کب ہوگی؟ اس کا یہ سوال بھی بطور انکار کے ہے یہ تو جانتا ہے کہ قیامت کا آنا محال ہے، جیسے اور جگہ ہے وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ الخ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ کہ قیامت کب آئیگی؟ ان سے کہدے کہ اس کا ایک دن مقرر ہے جس سے نہ تم ایک ساعت آگے بڑھ سکو گے نہ پیچھے ہٹ سکو گے، یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب آنکھیں پتھرا جائیں گی، جیسے اور جگہ ہے لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ الخ یعنی پلکیں جھپکیں گی نہیں بلکہ رعب و دہشت خوف و وحشت کے مارے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھتے رہیں گے، بَرِقَ کی دوسری قرأت بَرَقَ بھی ہے دونوں کے معنی میں کوئی زیادہ فرق نہیں، اور چاند کی روشنی بالکل جاتی رہے گی اور سورج چاند جمع کر دیئے جائیں گے یعنی دونوں کو بے نور کر کے لپیٹ لیا جائے گا جیسے فرمایا ہے اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں وَجُمِعَ بَيْنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ ۝ ہے، انسان جب یہ پریشانی شدت ہول گھبراہٹ اور انتظام عالم کی یہ خطرناک حالت دیکھے گا تو بھاگتا جائیگا اور کہے گا کہ جائے پناہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا کہ کوئی جگہ نہیں رب کے سامنے اور اُس کے پاس ٹھہرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، جیسے اور جگہ ہے مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝ یعنی آج نہ تو کوئی جائے پناہ ہے نہ ایسی جگہ کہ وہاں جا کر تم انجان اور بے پہچان ہو جاؤ، آج ہر شخص کو اُس کے اگلے پچھلے نئے پرانے چھوٹے بڑے اعمال سے مطلع کیا جائیگا جیسے فرمان ہے وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا الخ یعنی جو کیا تھا موجود پالیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے، اپنے اعمال کا خود آئینہ ہے گو انکار کرے اور عذر معذرت پیش کرتا پھرے، جیسے فرمان ہے اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۚ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے اور اپنے آپ کو آپ ہی جانچ لے، اس کے کان آنکھ ہاتھ پاؤں

اور دیگر اعضاء بھی اس پر شہادت دینے کو کافی ہیں لیکن افسوس کہ یہ دوسروں کے عیبوں اور نقصان کو دیکھتا ہے اور اپنے کیڑے چھتے سے غافل ہے، کہا جاتا ہے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ اے ابن آدم! تو دوسروں کی آنکھوں کا تنکا دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی تجھے سجھائی نہیں دیتا؟ قیامت کے دن گو انسان فضول بہانے بنائے اور جھوٹی دلیلیں دے اور بیکار عذر پیش کرے ایک بھی قبول نہ کیا جائیگا، اس آیت کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ پردے ڈالے، اہل یمن پردے کو معذار کہتے ہیں، لیکن صحیح معنی پہلے ہیں، جیسے اور جگہ ہے کہ کوئی معقول عذر نہ پاکر اپنے شرک کا سرے سے انکار ہی کر دیں گے کہ خدا کی قسم ہم مشرک تھے ہی نہیں، اور جگہ ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے بھی قسمیں کھا کھا کر سچا ہونا چاہیں گے جیسے دنیا میں تمہارے سامنے ان کی حالت ہے لیکن خدا پر تو ان کا جھوٹ ظاہر ہے گو وہ اپنے آپ کو کچھ بھی سمجھتے رہیں، غرض عذر معذرت انہیں قیامت کے دن کچھ کارآمد نہ ہوگی، جیسے اور جگہ فرماتا ہے لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ ظالموں کو ان کی معذرت کچھ کارآمد نہ ہوگی، یہ تو اپنے شرک کے ساتھ ہی اپنی تمام بداعمالیوں کا انکار کر دیں گے لیکن بے سود ہوگا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ

اے نبی آپ وحی کو ختم ہونے سے پہلے قرآن پڑھنے کے لئے اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اسکو جلدی جلدی یاد کر لیں (کیونکہ) اسکا جمع کر دینا اور آپکی زبان کی اسکو پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے

قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ

تابع ہو جایا کیجئے پھر اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے اے منکرو دنیا میں بے شک جیسا تم سمجھتے ہو ہرگز ایسا نہیں بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) تم دنیا کی محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ

يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾

بیٹھے ہو بہت سے چہرے تو اس روز بارونق ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے اور بہت سے چہرے اس روز بد رونق ہوں گے اور وہ لوگ خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ

ایک حکم

یہاں اللہ عزوجل اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دیتا ہے کہ فرشتے سے وحی کس طرح لیں، آنحضور اُس کے لینے میں بہت جلدی کرتے تھے اور قرأت میں فرشتے کے بالکل ساتھ ساتھ رہتے تھے پس اللہ عزوجل حکم فرماتا ہے کہ جب فرشتہ وحی لے کر آئے تو آپ سنتے رہیں، جس اندیشہ کی بناء پر آپ ایسا کرتے تھے اس کی بابت تسلی دیتا ہے کہ آپ کے سینے میں اسے جمع کر دینا اور ہر وقت آپ کی زبان سے اس کا پڑھوا دینا یہ ہمارے ذمہ ہے، اسی طرح اس کا واضح کرانا اور تفسیر اور بیان آپ سے کرانے کے ذمہ دار بھی ہم ہی ہیں پس پہلی حالت تو یاد کرانا دوسری تلاوت کرانا تیسری تفسیر مضمون اور توضیح مطلب کرانا تینوں کی کفالت خدا تعالیٰ نے اپنی ذمہ لی، جیسے اور جگہ ہے وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا یعنی جب تک تیرے پاس وحی پوری نہ آئے تو پڑھنے میں جلدی نہ کیا کر ہم سے دعا مانگ کہ میرے رب میرے علم کو زیادہ کر تا رہ، پھر فرماتا ہے کہ اسے تیرے سینے میں جمع کرنا اور اسے تجھ سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے جب ہم اسے پڑھیں یعنی جب ہمارا نازل کردہ فرشتہ اسے تلاوت کرے تو تو سن لے جب وہ پڑھ چکے تب تو پڑھ ہماری مہربانی سے تجھے پورا یاد ہوگا اتنا ہی نہیں بلکہ حفظ کرا دینے تلاوت کرانے کے بعد ہم تجھے اس کے معانی مطالب تعیین و توضیح کے ساتھ سمجھا دیں گے تاکہ ہماری اصلی مراد اور صاف شریعت سے تو پوری طرح آگاہ ہو جائے، مسند میں ہے کہ حضور کو اس سے پہلے وحی لینے میں سخت تکلیف ہوتی تھی اس خطرہ سے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں فرشتے کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے اور آپ کے ہونٹ مبارک ہلتے جاتے تھے ابن عباسؓ راوی حدیث نے اپنے ہونٹ ہلا کر دکھایا کہ اس طرح اور ان کے شاگرد سعیدؒ نے بھی اپنے استاد کی طرح ہونٹ ہلا کر اپنے شاگرد کو دکھائے، اس پر یہ آیت اتری کہ اتنی

جلدی نہ کرو اور نہ غمگین ہو، اسے آپ کے سینے میں جمع کرنا ہے اور آپ کی زبان سے اس کی تلاوت کرانا ہمارے ذمہ ہے جب ہم
سے پڑھیں تو آپ سنئے اور چپ رہئے جبرئیلؑ کے چلے جانے کے بعد آپ ہی کی طرح آپ کا پڑھایا ہوا پڑھانا بھی ہمارے ذمہ ہے
بخاری مسلم میں بھی یہ روایت ہے، بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ پھر جب وحی اترتی تو آپؐ نظریں نیچی کر لیتے اور جب وحی چلی
جاتی آپؐ پڑھتے، ابن ابی حاتم میں بھی یہ روایت ابن عباسؓ یہ حدیث مروی ہے اور بہت سے مفسرین سلف صالحین نے
یہی فرمایا ہے، یہ بھی مروی ہے کہ حضورؐ ہر وقت تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں اس پر یہ آیتیں
اتریں، حضرت ابن عباسؓ اور عطیہ عوفی فرماتے ہیں اس کا بیان ہم پر ہے یعنی حرام حلال کا واضح کرنا، حضرت قتادہؒ کا قول
بھی یہی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کافروں کو قیامت کا انکار کرنے اور خدا کی پاک کتاب کو نہ ماننے اور خدا کے عظیم الشان
رسولؐ کی اطاعت نہ کرنے پر آمادہ کرنے والی چیز حب دنیا اور ترک آخرت ہے، حالانکہ آخرت کا دن بڑی اہمیت والا دن ہے
اس دن بہت سے لوگ تو وہ ہوں گے جن کے چہرے ہشاش بشاش تر و تازہ خوش و خرم ہوں گے اور اپنے رب کے دیدار سے
مشرف ہو رہے ہوں گے، جیسے کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عنقریب تم اپنے رب کو صاف صاف کھلم کھلا اپنے
سامنے دیکھو گے، بہت سی صحیح حدیثوں سے متواتر سندوں سے جو ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں ذکر کی ہیں ثابت ہو چکا ہے
کہ ایمان والے اپنے رب کے دیدار سے قیامت کے دن مشرف ہوں گے، ان حدیثوں کو نہ تو کوئی ہٹا سکے گا نہ ان کا کوئی
انکار کر سکے گا، صحیح بخاری صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں
نے پوچھا یا رسول اللہؐ! کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا سورج اور چاند کو جب کہ آسمان صاف
بے ابر ہو دیکھنے میں تمہیں کوئی ...... چیز مانع ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، آپؐ نے فرمایا اسی طرح تم اللہ تعالیٰ
کو دیکھو گے، صحیحین میں ہی حضرت جریرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور
فرمایا تم اسی طرح اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، پس اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے
کی نماز (یعنی صبح کی نماز) اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز (یعنی عصر کی نماز) میں کسی طرح کی سستی نہ کرو[ف۱]۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے انہی دونوں متبرک کتابوں میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو جنتیں سونے کی ہیں وہاں کے
برتن بھانڈے اور ہر چیز سونے کی ہے، اور دو جنتیں چاندی کی ہیں ان کے برتن بھانڈے اور ہر چیز چاندی ہی کی ہے،
ان جنتیوں اور خدا کے دیدار کے درمیان سوائے کبریائی کی چادروں کے اور کچھ آڑ نہیں، یہ جنت عدن کا ذکر ہے، صحیح مسلم
کی حدیث میں ہے کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو خدائے تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کچھ چاہتے ہو کچھ زیادہ؟
وہ کہیں گے خدایا تو نے ہمارے چہرے سفید نورانی کر دیئے ہمیں جنت میں پہنچا دیا جہنم سے بچا لیا اب ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے؟
اسی وقت حجاب ہٹا دیئے جائیں گے اور اہل جنت کی نگاہیں جمال باری سے منور ہوں گی اس میں انہیں جو سرور و لذت
حاصل ہوگی وہ کسی چیز میں حاصل نہ ہوگی، سب سے زیادہ محبوب انہیں دیدار باری ہوگا اسی کو اس آیت میں لفظ زیادۃ
سے تعبیر کیا گیا ہے، پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ یعنی احسان کرنے والوں کو جنت بھی ملے گی

ف۱ شاید یعنی یہ کہ ان دو وقت کی نماز کو خدا تعالیٰ کے دیدار سے کوئی خاص مناسبت ہو، کیونکہ صبح کا وقت غفلت کا ہے آدمی سوتا ہے
آرام میں ہوتا ہے اس وقت نماز کا اہتمام ایمان کی خاص علامت ہے اور ایسے ہی عصر کا وقت بڑی مصروفیت کا ہوتا ہے آدمی سودا
وغیرہ لینے کے لئے نکلتے ہیں اور کاروبار خرید و فروخت میں مصروف ہوتے ہیں ایسے گھما گھمی کے وقت نماز کا اہتمام خدا تعالیٰ کو بے حد پسندیدہ
ہے [illegible] اور قیامت [illegible] خدا تعالیٰ کی عبادت میں ... کے پر ان کے لئے اپنا دیدار جو سرمایہ ہے وہ بنایا، عنایت فرمایا خدا تعالیٰ راقم السطور
کو اس نعمت عظمیٰ یعنی دیدار الٰہی سے بطور رب العالمین بلا استحقاق مشرف فرمائے آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اور دیدار خدا بھی۔ صحیح مسلم کی حضرت جابرؓ والی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر قیامت کے میدان میں مسکراتا ہوا تجلی فرمائیگا پس معلوم ہوا کہ ایماندار قیامت کے عرصات میں اور جنتوں میں دیدار خدا سے مشرف کئے جائیں گے، مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے ہلکے درجے کا جنتی اپنے ملک اور اپنی ملکیت کو دو ہزار سال دیکھتا رہے گا دور کی اور نزدیک کی چیزیں یکساں نگاہ میں ہوں گی، ہر طرف اور ہر جگہ اُس کی بیویاں اور خادم نظر آئیں گے، اور اعلیٰ درجے کے جنتی ایک ایک دن میں دو دو مرتبہ اللہ کے باعظمت چہرے کو دیکھیں گے، ترمذی شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ یہ حدیث بروایت حضرت ابن عمرؓ مرفوعاً بھی مروی ہے اگر ہم اس قسم کی تمام حدیثیں اور روایتیں اور اُن کی سندیں اور اُن کے مختلف الفاظ یہاں جمع کریں گے تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ بہت ہی صحیح اور حسن حدیثیں بہت سی مسند اور سنن کی کتابوں میں بھی مروی ہیں جن میں کی اکثر ہماری اس تفسیر میں متفرق مقامات پر بھی آ گئی ہیں، ہاں توفیق خدا کے ہاتھ میں ہے خدا کا شکر ہے کہ اس مسئلہ میں یعنی خدائے تعالیٰ کا دیدار مؤمنوں کو قیامت کے دن نصیب ہونے میں صحابہؓ تابعینؒ اور سلف اُمت کا اتفاق اور اجماع ہے، ائمۂ اسلامؒ سب اس پر متفق ہیں جو لوگ اس کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مراد اس سے خدائے تعالیٰ کی نعمتیں کو دیکھنا ہے جیسے مجاہدؒ اور ابوصالحؒ سے تفسیر ابن جریر میں مروی ہے اُن کا قول حق سے دور اور سراسر تکلف سے معمور ہے، اُن کے پاس اس آیت کا کیا جواب ہے جہاں بدکاروں کی نسبت فرمایا گیا ہے كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ؀ یعنی فاجر قیامت کے دن اپنے پروردگار سے پردے میں کر دیئے جائیں گے، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فاجروں کے دیدار الٰہی سے محروم رہنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ ابرار یعنی نیکوکار لوگ دیدار الٰہی سے سیراب کئے جائیں گے، اور متواتر حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے اور اسی پر اس آیت کے الفاظ صاف دلالت کرتے ہیں کہ ایماندار دیدار باری سے مشرف ہوں گے، حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ یہ چہرے حسن و خوبی والے ہوں گے، کیونکہ دیدار رب پر اُن کی نگاہیں پڑتی ہونگی پھر بھلا یہ منور و حسین کیوں نہ ہوں؟ اور بہت سے منہ اُس دن بگڑے ہوئے ہوں گے، بدشکل ہو رہے ہوں گے، بے رونق اور اُداس چہرے ہوں گے، اُنہیں یقین ہو گا کہ ہم پر اب کوئی ہلاکت اور خدا کی پکڑ آئی، ابھی ہمیں جہنم میں جانے کا حکم ہوا، جیسے اور جگہ ہے يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ؀ یعنی اس دن بعض چہرے گورے چٹے خوبصورت اور حسین ہوں گے اور بعض کالے منہ والے ہوں گے، اور جگہ ہے وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ؀ الخ یعنی قیامت کے دن بہت سے چہرے خوف زدہ دہشت اور ڈر والے بدرونق اور ذلیل ہوں گے جو عمل کرتے رہے اور تکلیف اُٹھاتے رہے لیکن آج بھڑکتی ہوئی آگ میں جا گھسے الخ پھر فرمایا وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌ ؀ الخ یعنی بعض منہ اُس دن نعمتوں والے خوش و خرم چمکیلے اور شاداں و فرحاں بھی ہوں گے، جو اپنے گزشتہ اعمال سے خوش ہوں گے اور بلند و بالا جنتوں میں اقامت رکھتے ہوں گے، اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں:

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَظَنَّ أَنَّهُ

(یعنی ان کو عذاب ضرور ہو گا) ہرگز ایسا نہیں جب جان ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور نہایت حسرت کہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ کوئی جھاڑنے والا ہے اور (اس وقت) وہ (مردہ) سمجھ

ع ١ ١٤ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾

گیا ہے کہ یہ ساعت (دنیا کی) فراقت کا وقت ہے اور وقت سکرات موت ہے) ایک پنڈلی دوسری پنڈلی کو لپیٹ جاتی ہے۔ اس روز تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ ﴿١﴾ وَلَٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ

تو اس نے نہ تو خدا اور رسول کی تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی بلکہ خدا اور رسول کی تکذیب کی تھی اور احکام سے منہ موڑا تھا پھر اتراتا ہوا اپنے گھر چلتا تفسیر کیجئے پر

يَتَمَطّٰى ﴿٣﴾ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ﴿٤﴾ ثُمَّ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ﴿٥﴾ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ

کبختی آنے والی ہے پھر (کہ رُس سکے) تیری کبختی پر کبختی آنے والی ہے کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا یہ شخص (ابتداء میں محض)

سُدًى ﴿٦﴾ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُمْنٰى ﴿٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ

ایک قطرۂ منی نہ تھا جو (عورت کے رحم میں) ٹپکایا گیا تھا پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے (اسکو انسان) بنایا پھر اعضاء درست کئے پھر اس کی دو قسمیں

الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ﴿٩﴾ أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى أَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿١٠﴾ ع ۲ ۱۸

کردیں مرد اور عورت (تو) کیا وہ (خدا جس نے ابتداء میں اپنی قدرت سے یہ سب کچھ کیا) اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ (قیامت میں) مردوں کو زندہ کردے

موت اور اس کی بے چینیاں

یہاں پر موت کا اور سکرات کے عالم کا بیان ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اُس وقت حق پر ثابت قدم رکھے، کَلَّا کو اگر یہاں ڈانٹ کے معنے میں لیا جاوے تو یہ معنی ہوں گے کہ اے ابن آدم تو جو میری خبروں کو جھٹلاتا ہے وہ درست نہیں بلکہ اُن کے مقدمات تو تو روزمرہ کھلم کھلا دیکھ رہا ہے اور اگر اس لفظ کو حقًا کے معنی میں لیں تو مطلب اور زیادہ ظاہر ہے، یعنی یہ بات یقینی ہے کہ جبکہ تیری روح تیرے جسم سے نکلنے لگے اور تیرے نرخرے تک پہنچ جائے تَرَاقِیْ جمع ہے تَرْقُوَۃٌ کی ہے اُن ہڈیوں کو کہتے ہیں جو سینے پر اور مونڈھوں کے درمیان میں ہیں جیسے ہنسلی کی ہڈی کہتے ہیں جیسے اور جگہ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝ سے بعد قلیل ۝ تک فرمایا ہے یعنی جب کہ روح حلق تک پہنچ جائے اور تم دیکھ رہے ہو اور ہم تم سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے پس اگر تم حکم الٰہی کے ماتحت نہیں ہو اور اپنے اس قول میں سچے ہو تو اس روح کو کیوں نہیں لوٹا لاتے؟ اس مقام میں اُس حدیث پر بھی نظر ڈال لی جائے جو بشر بن حجاج کی روایت کی سورۂ یٰسٓ ۝ کی تفسیر میں گزر چکی ہے، تَرَاقِیْ جو جمع ہے تَرْقُوَۃٌ کی اُن ہڈیوں کو کہتے ہیں جو حلقوم کے قریب ہیں اُس وقت آواز ہوتی ہیں کہ کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کرسکے، یعنی کسی طبیب وغیرہ کے ذریعہ شفا ہو سکتی ہے؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہے یعنی اُس روح کو لیکر کون چڑھیگا؟ رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اور پنڈلی کے پنڈلی سے رگڑ کھانے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ دنیا اور آخرت اُس پر جمع ہو جاتی ہے دنیا کا آخری دن ہوتا ہے اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے جس سے سختی پر سختی ہو جاتی ہے مگر جس پر رب رحیم کا رحم و کرم ہو، دوسرا مطلب حضرت عکرمہؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک بہت بڑا امر دوسرے بہت بڑے امر سے مل جاتا ہے بلا پر بلا آجاتی ہے تیسرا مطلب حضرت حسن بصریؒ وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ خود مرنے والے کی بیقراری اور شدت درد سے پاؤں پر پاؤں کا چڑھ جانا مراد ہے پہلے تو یہ ان پاؤں پر چلتا پھرتا تھا لیکن اب ان میں جان کہاں؟ اور یہ بھی مروی ہے کہ کفن کے وقت پنڈلی سے پنڈلی کا مل جانا مراد ہے، چوتھا مطلب حضرت ضحاکؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ دو کام دو طرف جمع ہو جاتے ہیں، اِدھر تو لوگ اس کے جسم کو نہلا دھلا کر سپرد خاک کرنے کو تیار ہیں اُدھر فرشتے اس کی روح لے جانے میں مشغول ہیں اگر نیک ہے تو عمدہ تیاری اور دھوم دھام کے ساتھ اگر بد ہے تو نہایت بُرائی اور بدتر حالت کے ساتھ، اب لوٹنے اور قرار پانے کی جگہ رہنے سہنے اور پہنچ جانے کی جگہ کھنچ کر جانے اور چل کر پہنچنے کی

عرب کے ماحول کے پیش نظر تنگہ جو اس دور میں آخری وقت جھاڑ پھونک کا دور دورہ تھا اسی کو بیان کیا ظاہر ہے کہ ہمارے زمانہ کی وہ تمام کوششیں جو زندگی کو باقی رکھنے کے لئے ڈاکٹری یا طبی اصول کے تحت کی جاتی ہیں سب اسی میں کا تذکرہ بھی ہوتا تاہم بقول مفسر ابن کثیر جب اس آیت میں مطلقاً علاج و معالجہ مراد ہے تو اس دور ترقی کے تمام سامان ترقی تحفظ جان کے بھی آگئے صاحب روح المعانی نے بھی کہا ہے کہ لعلہ اراد بہ مطلق الطبیب

جگہ اللہ ہی کی طرف ہے، روح آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے پھر وہاں سے حکم ہوتا ہے کہ اسے زمین کی طرف پھر لے جاؤ میں نے ان سب کو اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹا کر لے جاؤں گا اور پھر اسی سے انہیں دوبارہ نکالوں گا، جیسے کہ حضرت براءؓ کی طویل حدیث میں آیا ہے یہی مضمون اور جگہ بیان ہوا ہے وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ الخ وہی اپنے بندوں پر غالب ہے وہی تمہاری حفاظت کے لئے تم پر نگہبان فرشتے بھیجتا ہے یہاں تک کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوئی قصور نہیں کرتے پھر سب کے سب اپنے سچے مولا کی طرف لوٹائے جاتے ہیں، یقین مانو کہ حکم اسی کا چلتا ہے اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے۔

پھر اس کافر انسان کا حال بیان ہو رہا ہے جو اپنے دل اور اپنے عقیدے سے حق کا جھٹلانے والا اور اپنے عمل سے حق سے روگردانی کرنے والا تھا جس کا ظاہر و باطن برباد ہو چکا تھا اور کوئی بھلائی اس میں باقی نہیں رہی تھی، نہ وہ خدا کی باتوں کی دل سے تصدیق کرتا تھا نہ جسم سے عبادت خدا بجا لاتا تھا یہاں تک کہ نماز کا بھی چور تھا، ہاں جھٹلانے اور منہ موڑنے میں بے باک تھا اور اپنے اس ناکارہ عمل پر اتراتا اور پھولتا ہوا بے ہمتی اور بدعملی کے ساتھ اپنوں میں جا ملتا تھا، جیسے اور جگہ ہے وَإِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝ یعنی جب اپنے اعزہ و اقارب کی طرف لوٹتے ہیں تو خوب باتیں بناتے ہوئے مزے کرتے ہوئے خوش خوش جاتے ہیں اور جگہ ہے إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝ إِنَّهُ ظَنَّ الخ یعنی یہ اپنے گھرانے میں شادماں تھا اور سمجھ رہا تھا کہ خدا کی طرف اسے لوٹنا ہی نہیں ہے، اس کا یہ خیال محض غلط تھا، اس کے رب کی نگاہیں اس پر تھیں، پھر اسے اللہ تبارک و تعالیٰ دھمکاتا ہے اور ڈراتا ہے کہ خرابی ہو تجھے خدا تعالیٰ کے ساتھ کفر کر کے پھر اتراتا ہے، جیسے اور جگہ ہے ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۝ یعنی قیامت کے دن کافر سے بطور ڈانٹ کے اور حقارت کے کہا جائے گا کہ لے اب مزہ چکھ تو تو بڑی عزت اور بزرگی والا تھا، اور فرمان ہے كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجْرِمُونَ ۝ کچھ کھا پی لو آخر تم ہو تو گنہگار ہی، اور جگہ ہے فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُم مِّن دُونِهِ ۝ جاؤ خدا کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو، وغیرہ وغیرہ، غرض یہ ہے کہ ان تمام جگہوں میں یہ احکام بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ہیں، حضرت سعید بن جبیرؒ سے جب یہ آیت أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ابوجہل کو فرمایا تھا پھر قرآن میں بھی یہی الفاظ نازل ہوئے، حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی کے قریب قریب نسائی میں موجود ہے، ابن ابی حاتم میں حضرت قتادہؒ کی روایت ہے کہ حضورؐ کے اس فرمان پر اس دشمن خدا نے کہا کہ تو مجھے دھمکاتا ہے خدا کی قسم تو اور تیرا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان چلنے والوں میں سب سے زیادہ ذی عزت میں ہوں ۝

فرماتا ہے کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ یعنی موت کے بعد زندہ نہ کیا جائے گا؟ اسے کوئی حکم اور کسی چیز کی ممانعت نہ کی جائے گی؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ دنیا میں اسے حکم و ممانعت اور آخرت میں اپنے اعمال کے بموجب جزا و سزا ضرور ملے گی، مقصود یہاں پر قیامت کا اثبات اور منکرین قیامت کا رد ہے، اسی لئے دلیل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ انسان دراصل نطفہ کی شکل میں بے جان و بے بنیاد تھا پانی کا ایک ذلیل قطرہ تھا جو پیٹھ سے رحم میں آیا پھر خون کی پھٹکی بنی پھر گوشت کا لوتھڑا ہوا پھر خدا تعالیٰ نے شکل و صورت دے کر روح پھونکی اور سالم اعضاء والا انسان بنا کر مرد یا عورت کی صورت میں پیدا کیا، تو کیا وہ خدا جس نے نطفہ ضعیف کو ایسا صحیح القامت قوی انسان بنا دیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اسے فنا کر کے پھر دوبارہ پیدا کر دے؟ یقیناً پہلی مرتبہ کا پیدا کرنے والا دوبارہ بنانے پر بہت زیادہ اور بطور اولیٰ قادر ہے، یا کم از کم اتنا ہی جتنا پہلی مرتبہ تھا، جیسے فرمایا وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۝ اس نے ابتداءً پیدا کیا وہی پھر لوٹائے گا اور وہ اس پر بہت زیادہ آسان ہے، اس آیت کے مطلب میں بھی دو قول ہیں لیکن پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے جیسے کہ سورۂ روم کی تفسیر میں اس کا بیان اور تقریر گزر چکی واللہ اعلم، ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی چھت پر باآواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے تھے جب اس سورت کی آخری آیت کی تلاوت کی تو فرمایا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ فَبَلَىٰ ۝ یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور بے شک قادر ہے لوگوں نے اس کہنے کا باعث پوچھا تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کا یہی جواب دیتے ہوئے سنا ہے، ابوداؤد میں بھی یہ حدیث ہے، لیکن دونوں کتابوں میں اس صحابی

نام نہیں گویا یہ نام نہ ہونا مضر نہیں، ابو داؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں سے سورۂ والتین کی آخری آیت اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ ہ پڑھے۔ وہ بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ ہ کہے، یعنی ہاں اللہ میں بھی اس پر گواہ ہوں، اور جو شخص سورۂ قیامت کی آخری آیت اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی ہ پڑھے تو وہ کہے بَلٰی اور جو شخص سورۂ والمرسلات کی آخری آیت فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۢ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ہ پڑھے وہ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ کہے، یہ حدیث مسند احمد اور ترمذی میں بھی ہے ابن جریر میں حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کی اس آخری آیت کے بعد فرماتے سُبْحٰنَکَ وَبَلٰی ہ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے جواب میں یہ کہنا ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔ الحمد للہ سورۂ قیامہ کی تفسیر ختم ہوئی ؛

تفسیر سورۂ دہر مکیّہ

صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ الٓمٓ ہ تَنْزِیْلُ الخ اور سورۂ ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ الخ قرأت فرماتے تھے، ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت اتری اور حضور علیہ السلام نے اس کی تلاوت کی اس وقت آپ کے پاس ایک سانولے رنگ کے صحابیؓ بیٹھے ہوئے تھے جب جنت کی صفتوں کا ذکر آیا تو ان کے منہ سے بے ساختہ ایک چیخ نکل گئی اور ساتھ ہی روح پرواز کر گئی، جنابِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ساتھی اور تمہارے بھائی کی جان جنت کے شوق میں نکل گئی ؛

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ① اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

بیشک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا بلکہ نطفہ تھا) ہم نے اسکو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اسطور پر کہ ہم

مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ② اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③

اسکو مکلف بنائیں تو (اسی واسطے) ہم نے اسکو سنتا دیکھتا بنایا (پھر) ہم نے اسکو رستہ بتلایا (یعنی احکام کا مطلب بتا دیا) تو وہ یا شکرگزار اور مومن ہو گیا یا ناشکر۔

انسان کی ابتداء اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا حالانکہ اس سے پہلے وہ اپنی بے مائگی اور اپنے ضعف کی وجہ سے ایسی چیز نہ تھا کہ اس کا ذکر کیا جائے، اسے مرد و عورت کے ملے جلے پانی سے پیدا کیا اور عجب تبدیلیوں کے بعد یہ موجودہ شکل و صورت اور ہیئت پر آیا ہم اسے آزما رہے ہیں، جیسے اور جگہ ہے لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تاکہ

بعض جگہ اگر امام نماز جہری میں آیات پڑھے تو پھر مقتدی یہ عبارات نہ کہے کیونکہ حالت نماز میں سکوت کے ساتھ امام کی قرأت سننا فرض ہے۔

وہ تمہیں آزماتا ہے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟ پس اس نے تمہیں کان اور آنکھیں عطا فرمائیں تاکہ اطاعت اور معصیت میں تمیز کر سکو۔ ہم نے اسے راہ دکھائی خوب واضح اور صاف کر کے اپنا سیدھا راستہ اس پر کھول دیا، جیسے اور جگہ ہے وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ یعنی ثمودیوں کو ہم نے ہدایت کی لیکن انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی، اور جگہ ہے وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ یعنی ہم نے انسان کو دونوں راہیں دکھا دیں، یعنی بھلائی برائی کی، اس آیت کی تفسیر میں مجاہدؒ، ابو صالحؒ، ضحاکؒ اور سدیؒ سے مروی ہے کہ اسے ہم نے راہ دکھائی یعنی ماں کے پیٹ سے باہر آنے کی، لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے اور جمہور سے یہی منقول ہے، شاکراً اور کفوراً کا نصب حال کی وجہ سے ذوالحال ہ کی ضمیر ہے جو اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ میں ہے، یعنی وہ اس حالت میں یا تو شقی ہے یا سعید، جیسے صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر شخص صبح کے وقت اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے یا تو اسے ہلاک کر دیتا ہے یا آزاد کرا لیتا ہے مسند احمد میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ نے فرمایا خدا تجھے بیوقوفوں کی سرداری سے بچائے حضرت کعبؓ نے کہا یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا وہ میرے بعد کے سردار ہوں گے جو میری سنتوں پر نہ عمل کریں گے نہ میرے طریقے پر چلیں گے پس جو لوگ ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں اور ان کے ظلم کی امداد کریں وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں یاد رکھو وہ میرے حوض کوثر پر بھی نہیں آ سکتے، اور جو ان کے جھوٹ کو سچا نہ کریں اور ان کے ظلموں میں ان کا مددگار نہ بنے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں وہ لوگ میرے حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے، اے کعبؓ روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو ختم کر دیتا ہے، اور نماز قرب خدا کا سبب ہے یا فرمایا کہ دلیل نجات ہے، اے کعبؓ! وہ گوشت پوست جنت میں نہیں جا سکتا جو حرام سے پلا ہو وہ تو جہنم میں ہی جانے کے قابل ہے، اے کعبؓ لوگ ہر صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتے ہیں کوئی تو اسے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر گزرتا ہے، سورۂ روم کی آیت فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا کی تفسیر میں حضرت جابرؓ کی روایت سے حضورؐ کا یہ ارشاد بھی گزر چکا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ زبان چلنے لگتی ہے پھر یا تو شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا، مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جو نکلنے والا نکلتا ہے اس کے دروازے پر دو جھنڈے ہوتے ہیں ایک فرشتے کے ہاتھ میں دوسرا شیطان کے ہاتھ میں پس اگر وہ اس کام کے لئے نکلا جو خدا تعالیٰ کا پسندیدہ ہے تو فرشتہ اپنا جھنڈا لئے ہوئے اس کے ساتھ چلتا ہے اور وہ واپسی تک فرشتے کے جھنڈے تلے ہی رہتا ہے اور اگر یہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کے کام کے لئے نکلا ہے تو شیطان اپنا جھنڈا لئے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور واپسی تک وہ شیطانی جھنڈے کے تلے رہتا ہے۔

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ۝ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ

ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے اور جو نیک لوگ ہیں وہ ایسے جام شراب سے (شرابیں) پئیں گے جس میں

مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝ (۶)

کافور کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمے سے پئیں گا جس سے خدا کے خاص بندے پئیں گے (اور) جس کو وہ (خاص بندے) جہاں چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ

وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی اور وہ لوگ (محض) خدا کی محبت سے

عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ⑧ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ

غریبوں اور یتیم اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں ہم تم کو محض خدا کی رضا مندی کیلئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے (اس کا عوض)

مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ⑨ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ⑩

بدلہ چاہیں اور نہ (اس کا قولی) شکریہ (چاہیں) ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں سو اللہ تعالیٰ

فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ⑪ وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ⑫

ان کو اس (اطاعت اور اخلاص کی برکت سے) اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا (یعنی چہروں پر تازگی اور قلوب میں خوشی دیگا) اور ان کی پختگی (یعنی استقامت)

کفار اور عذاب الٰہی

یہاں اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے جو بھی اس سے کفر کرے اس کے لئے زنجیریں طوق اور شعلوں والی بھڑکتی ہوئی تیز آگ تیار ہے۔ جیسے اور جگہ ہے إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ٥ جب کہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور بیڑیاں ان کے پاؤں میں ہوں اور حمیم میں گھسیٹے جائیں گے پھر جہنم میں جلائے جائیں گے، ان بدنصیبوں کی سزا کا ذکر کر کے اب نیک لوگوں کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی آمیزش کافور نامی نہر کے پانی کی ہوگی، ذائقہ بھی اعلیٰ خوشبو بھی عمدہ اور فائدہ بھی بہتر کافور کی سی ٹھنڈک اور سونٹھ کی سی خوشبو، کافور ایک نہر کا نام ہے جس سے خدا تعالیٰ کے خاص بندے پانی پیتے ہیں اور صرف اسی سے آسودگی حاصل کرتے ہیں اسی لئے یہاں باء سے متعدی کیا اور تمیز کی بنا پر عَيْنًا پر نصب دیا، یہ پانی اپنی خوشبو میں مثل کافور کے ہے اور عَيْنًا کا زبر یشرب کی وجہ سے ہے، پھر اس نہر تک انہیں آنے کی ضرورت نہیں وہ اپنے باغات میں مکانات میں جلسوں میں بیٹھکوں میں جہاں بھی چاہیں گے اسے لے جائیں گے اور جو ہیں، وہ بہہ جائیگی، تفجیر کے معنی روانگی اور اجراء کے ہیں، جیسے آیت حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا میں اور فَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا میں، پھر ان لوگوں کی نیکیاں بیان ہو رہی ہیں کہ جو عبادتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے ذمہ تھیں وہ تو بجا ہی لاتے تھے بلکہ جو چیز یہ اپنے اوپر کر لیتے اسے بھی بجا لاتے یعنی نذر بھی پوری کرتے، حدیث میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے وہ پوری کرے اور جو نافرمانی کی نذر مانے اسے پوری نہ کرے، امام بخاریؒ نے اسے امام مالکؒ کی روایت سے بیان فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچاتے رہتے ہیں کیونکہ قیامت کے دن کا ڈر ہے جس کی گھبراہٹ عام ہوگی سب کو گھیر لے گی اور ہر ایک الجھن میں پڑ جائے گا، مگر جس پر خدا تعالیٰ کا رحم و کرم ہو، زمین و آسمان تک کانپ رہے ہوں گے، استطار کے معنی ہیں پھیل جانے والی اور اطراف کو گھیر لینے والی کے، یہ نیک کار اللہ تعالیٰ کی محبت میں مستحق لوگوں پر اپنی طاقت کے مطابق خرچ بھی کرتے رہتے تھے اور ہ کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے طعام کو بھی کہا ہے لفظاً زیادہ ظاہر بھی یہی ہے، یعنی باوجود طعام کی محبت اور خواہش و ضرورت کے راہ اللہ غرباء اور حاجتمندوں کو دے دیتے ہیں، جیسے اور جگہ ہے وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ٥ یعنی مال کی خواہش و تمنا کے باوجود اسے راہ اللہ دے دیتے ہیں، اور فرمان ہے لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ٥ یعنی تم ہرگز بھلائی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیزیں راہ اللہ خرچ نہ کرو، حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار پڑے آپ کی بیماری میں انگور کا موسم آیا جب انگور بکنے لگے تو آپ کا دل بھی چاہا کہ میں انگور کھاؤں تو آپ کی بیوی صاحبہ حضرت صفیہؓ نے ایک درہم کا انگور منگوائے، آدمی لیکر آیا اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک سائل بھی آ گیا

اور اس نے آواز دی کہ میں سائل ہوں، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا یہ سب اسی کو دیدو چنانچہ دیدیے گئے، پھر دوبارہ آدمی گیا اور انگور خرید لایا اب کی مرتبہ بھی سائل آ گیا اور اس کے سوال پر اسی کو سب کے سب انگور دیدیے گئے۔ لیکن اب کی مرتبہ حضرت صفیہؓ نے سائل کو کہلوا بھیجا کہ اگر آپ آئے تو تمہیں کچھ نہ ملے گا چنانچہ تیسری مرتبہ ایک درہم کے انگور منگا لئے گئے (ابن ابی حاتم) اور صحیح حدیث میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو تو اپنی صحت کی حالت میں باوجود مال کی محبت کے باوجود امیری کی تمنا اور افلاس کے خوف کے راہِ خدا دے یعنی مال کی حرص بھی ہو حب بھی ہو اور حاجت و ضرورت بھی ہو پھر بھی راہ للہ اسے قربان کر دے۔ یتیم اور مسکین کسے کہتے ہیں؟ وغیرہ اس کا مفصل بیان پہلے گزر چکا ہے، قیدی کی نسبت حضرت سعیدؒ وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ مسلمان اہل قبلہ مراد ہے، لیکن ابن عباسؓ وغیرہ کا فرمان ہے اس وقت قیدیوں میں سوائے مشرکین کے اور کوئی مسلم نہ تھا، اور اسی کی تائید اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے بدری قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحابؓ کو فرمایا تھا کہ ان کا اکرام کرو چنانچہ کھانے پینے میں صحابہؓ خود اپنی جان سے بھی زیادہ ان کا خیال رکھتے تھے حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد غلام ہیں، امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ آیت کے عام ہونے کی وجہ سے اسی کو پسند کرتے ہیں اور مسلم مشرک سب کو شامل کرتے ہیں، غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ احسان و سلوک کرنے کی تاکید بہت سی حدیثوں میں آئی ہے، بلکہ حضرت رسول اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت اپنی امت کو یہی ہے کہ نمازوں کی نگہبانی کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کا پورا خیال رکھو، یہ اس نیک سلوک کا نہ تو ان لوگوں سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ، بلکہ اپنے حال سے گویا اعلان کر دیتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف خدا کے لئے دیتے ہیں اس میں ہماری یہی بہتری ہے کہ اس سے رضائے رب اور مرضیٔ مولا ہمیں حاصل ہو جائے ہم ثواب اور اجر کے مستحق ہو جائیں، حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خدا کی قسم یہ بات وہ لوگ منہ سے نہیں نکالتے یہ دلی ارادہ ہوتا ہے جس کا علم خدا کو ہے تو خدا تعالیٰ نے اسے ظاہر فرما دیا کہ اور لوگوں کی رغبت کا باعث بنے، یہ پاکباز جماعت خیرات و صدقات کر کے اس دن کے عذاب اور ہولناکیوں سے بچنا چاہتی ہے جو ترش رو تنگ تاریک اور طول طویل ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ اس بنا پر خدا تعالیٰ ہم پر رحم کرے گا، اور اس محتاجی اور بے بسی والے دن میں ہماری یہ نیکیاں کام آئیں گی، حضرت ابن عباسؓ سے عَبُوسًا کے معنے تنگی والا، اور قَمْطَرِيرًا کے معنے طول طویل مروی ہے عکرمہؒ فرماتے ہیں کافر کا منہ اس دن بگڑ جائے گا اس کی تیوری چڑھ جائیگی، اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے عرق بہنے لگے گا جو مثل روغن گندھک کے ہوگا، مجاہدؒ فرماتے ہیں ہونٹ چڑھ جائیں گے اور چہرہ سمٹ جائے گا، حضرت سعیدؒ اور حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ بوجہ گھبراہٹ اور ہولناکیوں کے صورت بگڑ جائے گی پیشانی تنگ ہو جائے گی، ابن زیدؒ فرماتے ہیں برائی اور سختی والا دن ہوگا، لیکن سب سے واضح بہتر نہایت مناسب ٹھیک قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، قَمْطَرِير کے لغوی معنی امام ابن جریرؒ نے شدید کے کئے ہیں یعنی بہت سختی والا، ان کی اس نیک نیتی اور پاک عمل کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے انہیں اس دن کی برائی سے بال بال بچا لیا، اور اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں بجائے ترش روئی کے خندہ پیشانی اور بجائے دل کی ہولناکی کے اطمینان و سرور قلب عطا فرمایا۔ خیال کیجئے کہ یہاں عبارت میں کس قدر بلیغ تجانس کا استعمال کیا گیا ہے، اور جگہ ہے وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ اس دن بہت سے چہرے چمکیلے ہوں گے جو ہنستے ہوئے اور خوشیاں مناتے ہوئے ہوں گے، یہ ظاہر ہے کہ جب دل مسرور ہوگا تو چہرہ کھلا ہوا ہوگا، حضرت کعب بن مالکؓ کی لمبی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی کوئی خوشی ہوتی تو آپ کا چہرہ چمکنے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے، حضرت عائشہؓ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ ایک

مرتبہ حضورؐ میرے پاس تشریف لائے چہرۂ مبارک خوشی سے منور ہو رہا تھا اور مسکراہٹ سے مبارک کی رگیں چمک رہی تھیں ۔ اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے ان کے صبر کے اجر میں انھیں رہنے سہنے کے لئے وسیع جنت پاک زندگی اور پہننے اوڑھنے کے لئے ریشمی لباس ملا ، ابن عساکر میں ہے کہ ابو سلیمان دارانیؒ کے سامنے اس سورت کی تلاوت ہوئی جب قاری نے اس آیت کو پڑھا تو آپ نے فرمایا انھوں نے دنیاوی خواہشوں کو چھوڑ رکھا تھا ، پھر یہ اشعار پڑھے ۔

كَمْ قَتِيلٍ لِشَهْوَةٍ وَأَسِيرٍ ۔ أُفٍّ مِنْ مُشْتَهِي خِلَافِ الْجَمِيلِ ۔ شَهَوَاتُ الْإِنْسَانِ تُورِثُهُ الذُّلَّ ۔ وَتُلْقِيهِ فِي الْبَلَاءِ الطَّوِيلِ

افسوس شہوت نفس نے اور بھلائیوں کے خلاف برائیوں کے ارتکاب نے بہت سوں کا گلا گھونٹ دیا اور کتنی ایک کو پابجولان کر دیا ، نفسانی خواہشیں ہی ہیں جو انسان کو بدترین ذلت و رسوائی اور بلا و مصیبت میں ڈال دیتی ہیں ۔

مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۖ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ﴿١٣﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ

اس حالت میں کہ وہ وہاں (جنت میں) مسہریوں پر (آرام اور عزت سے) تکیہ لگائے ہوں گے نہ وہاں تپش (دھوپ کی) پائیں گے اور نہ جاڑا اور ملکی فرحت بخش اشجار جو کہ

ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِآنِيَةٍ مِنْ فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ

اور یہ حالت ہوگی کہ (وہاں کے یعنی جنت کے) درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور ان کے میوے ان کے اختیار میں ہوں گے کہ جس وقت چاہیں بلا مشقت لے سکیں گے اور

قَوَارِيرَا ﴿١٥﴾ قَوَارِيرَ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا

ان کے پاس چاندی کے برتن اور آبخورے جو شیشے کے ہوں گے لائے جائیں گے وہ شیشے چاندی کے ہوں گے جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا اور وہاں ان کو ایسا جام شراب

زَنْجَبِيلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُونَ إِذَا

ذکور رکھا ، ایسا جام شراب پلایا جائے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمے سے (بھر کر) جو وہاں ہوگا جس کا نام سلسبیل مشہور ہوگا اور ان کے پاس

رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَنْثُورًا ﴿١٩﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾ عَالِيَهُمْ ثِيَابُ

ایسے چہرے والے لڑکے آمد و رفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اور اس قدر حسین ہیں کہ اے مخاطب اگر تو ان کو چلتا پھرتا دیکھے تو یوں سمجھے کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں

سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا

اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے ، اور ان جنتیوں پر باریک ریشم کے کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب

طَهُورًا ﴿٢١﴾ إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا ﴿٢٢﴾ ع ۲۲ ۱۹

اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا جس میں نجاست نہ ہوگی یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش جو دنیا میں کرتے تھے مقبول ہوئی

نعمتہائے آخرت جنتیوں کی نعمتوں اور راحتوں کا ان کے ملک و مال اور جاہ و منزلت کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ بآرام تمام پورے اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ جنت کے مرصع اور مزین جڑاؤ تختوں پر بے فکری سے تکیے لگائے سرور و راحت سے بیٹھے مزے لوٹ رہے ہوں گے سورۂ واقعہ کی تفسیر میں اس کی پوری شرح

گزر چکی ہے، وہیں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اتکا سے مراد لیٹنا ہے یا کہنیاں ٹکانا ہے یا چار زانو بیٹھنا ہے یا کمر لگا کر تکیہ لگانا ہے، اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ارائک چھپر کھٹوں کو کہتے ہیں، پھر ایک اور نعمت بیان ہو رہی ہے کہ وہاں نہ تو سورج کی تیز شعاعوں سے انھیں کوئی تکلیف پہنچے گی نہ جاڑے کی بہت سرد ہوائیں انھیں ناگوار گزریں گی، بلکہ بہار کا سا موسم ہر وقت اور ہمیشہ رہتا ہے، گرمی سردی کے جھمیلوں سے الگ ہیں، جنتی درختوں کی شاخیں جھوم جھوم کر ان پر سایہ کئے ہوئے ہوں گی اور میوے ان سے بالکل قریب ہوں گے چاہے لیٹے لیٹے توڑ کر کھالیں چاہے بیٹھے بیٹھے لے لیں چاہے کھڑے ہو کر لے لیں، درختوں پر چڑھنے کی اور تکلیف کی کوئی ضرورت نہیں سروں پر میوے دار گچھے اور لدے ہوئے گچھے لٹک رہے ہوں گے توڑا اور کھا لیا، اگر کھڑے ہیں تو میوے اتنے اونچے ہیں، بیٹھے تو قدرے جھک گئے، لیٹے تو اور قریب آ گئے، نہ تو کانٹوں کی رکاوٹ ہے اور نہ دوری کی دوسری ہے، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کی زمین چاندی کی ہے اور اس کی مٹی مشک خالص ہے اس کے درختوں کے تنے سونے چاندی کے ہیں، ڈالیاں لولو زبرجد اور یاقوت کی ہیں ان کے درمیان پتے اور پھل ہیں جن کے توڑنے میں کوئی دقت اور مشکل نہیں چاہو بیٹھے بیٹھے توڑ لو چاہو کھڑے کھڑے بلکہ اگر چاہیں لیٹے لیٹے، ایک طرف خوش خرام خوش دل خوبصورت باادب سلیقہ شعار فرمانبردار خادم، قسم قسم کے کھانے چاندی کے کشتیوں میں لگائے لئے کھڑے ہیں، دوسری جانب شراب طہور سے چھلکتے ہوئے بلوریں جام لئے ساقیان مہوش اشارے کے منتظر ہیں، یہ گلاس صفائی میں شیشے جیسے اور سفیدی میں چاندی جیسے ہوں گے، دراصل ہوں گے چاندی کے لیکن شیشے کی طرح شفاف ہوں گے کہ اندر کی چیز باہر سے نظر آئیگی، جنت کی تمام چیزوں کی یونہی سی برائے نام مشابہت دنیا کی چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن ان چاندی کی بلوریں گلاسوں کی کوئی مثال نہیں ملتی، ہاں یہ یاد رہے کہ پہلے لفظ قواریرا پر زبر تو اس لئے ہے کہ کانت کی خبر ہے اور دوسرے پر زبر بدلیت کی بنا پر ہے یا تمیز کی بنا پر، پھر جام نپے تلے ہوئے ہیں ساقی کے ہاتھ میں بھی زیب دیں اُن کی ہتھیلیوں پر سجتے معلوم ہوں اور پینے والوں کی حسب خواہش شراب طہور اس میں سما جائے جو نہ بچے نہ گھٹے، ان نایاب گلاسوں میں جو پاک خوش ذائقہ اور سرور والی بے نشے کی شراب انھیں ملے گی۔ وہ جنت کی نہر سلسبیل کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی، جیسا اوپر گزر چکا ہے کہ نہر کافور کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی تو مطلب یہ ہے کہ کبھی اس ٹھنڈک والے سرد مزاج پانی سے کبھی اس نفیس گرم مزاج پانی سے تاکہ اعتدال قائم رہے، یہ نیک لوگوں کا ذکر ہے اور خاص مقربین خالص اس نہر کا شربت پئیں گے، سلسبیل بقول عکرمہ جنت کے ایک چشمے کا نام ہے کیونکہ وہ تیزی کے ساتھ مسلسل روانگی سے لہریا چال بہہ رہا ہے، اس کا پانی بہت ہلکا نہایت شیریں خوش ذائقہ اور خوشبودار ہے جو آسانی سے پیا جائے اور سہل پچتا ہے، ان نعمتوں کے ساتھ ہی خوبصورت حسین نوخیز کم عمر لڑکے ان کی خدمت کے لئے کمربستہ ہوں گے یہ غلمان جنتی جس سن و سال میں ہوں گے اسی میں رہیں گے یہ نہیں کہ سن بڑھ کر صورت بگڑ جائے، یہ نفیس پوشاکیں اور بیش قیمت جڑاؤ زیور[۱] پہنے ہوئے بہ تعداد کثیر ادھر ادھر کاموں پر بٹے ہوئے ہوں گے جنھیں وہ بڑے چاق و چوبند مستعدی اور چالاکی سے انجام دے رہے ہوں گے، ایسا معلوم ہوگا گویا سفید آب دار موتی ادھر ادھر جنت میں بکھرے پڑے ہیں، حقیقت میں اس سے زیادہ اچھی تشبیہ ان کے لئے کوئی اور نہ تھی کہ یہ صاحب جمال اور خوش خصال بڑے سے غولے والے سفید نورانی چہروں والے پاک صاف سجی ہوئی پوشاکیں پہنے ہوئے زیوروں میں لدے ہوئے اپنے مالک کی فرمانبرداری میں دوڑتے بھاگتے ادھر ادھر پھرتے ایسے بھلے معلوم ہوں گے جیسے بچھے ہوئے پر تکلف فرش پر سفید چمکیلے سچے موتی ادھر ادھر لڑھک رہے ہوں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[۱] عرب کے ماحول کے پیش نظر گفتگو ہے جہاں مردوں میں بھی زیورات کا استعمال ریاست و وجاہت کا جز سمجھا جاتا تھا۔

فرماتے ہیں کہ ہر ایک جنتی کے ایک ہزار خادم ہوں گے جو مختلف کام کاج میں لگے ہوئے ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! تم جنت میں جس جگہ نظر ڈالو تمہیں نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی سلطنت نظر آئیگی، تم دیکھو گے کہ راحت و سرور نعمت و نور سے چپہ چپہ معمور ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے آخر میں جو جہنم میں سے نکالا جائے گا اور جنت میں بھیجا جائے گا اس سے جناب باری تبارک و تعالیٰ فرمائے گا جا میں نے تجھے جنت میں وہ دیا جو مثل دنیا کے ہے بلکہ اس سے بھی دس حصے زیادہ دیا، اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے وہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ ادنیٰ جنتی کی ملکیت و ملک دو ہزار سال کی مسافت ہوگا، ہر قریب و بعید کی چیز اس کی بیک نظر یکساں نگاہ میں ہوں گی، یہ حال تو ہے ادنیٰ جنتی کا پھر سمجھ لو کہ اعلیٰ جنتی کا درجہ کیا ہوگا؟ اور اس کی نعمتیں کیسی ہوں گی۔ اے خدا! اے بغیر ہماری دعا اور عمل کے ہمیں نعمتیں دینے اور ہماری حاجت پوری کرنے والے! ہم بہ عاجزی و الحاح تیری پاک جناب میں عرض گزار ہیں کہ تو ہماری اچھی بھلی حیثیت کی دعاؤں کو پورا کر اور ہمیں بھی جنت الفردوس نصیب فرما، گو ایسے اعمال نہ ہوں لیکن ایمان ہے کہ تیری رحمت عمل پر ہی موقوف نہیں، آمین۔ (مترجم دمشقی) طبرانی کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے کہ ایک حبشی دربار رسالت میں حاضر ہوا آپ نے اس سے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو جس بات کو سمجھنا ہو پوچھو، اس نے کہا یا رسول اللہ! صورت شکل میں رنگ و روپ میں نبوت و رسالت میں آپ کو ہم پر فضیلت دی گئی ہے، اب تو یہ فرمائیے کہ اگر میں بھی ان چیزوں پر ایمان لاؤں جن پر آپ ایمان لائے ہیں اور جن پر آپ عمل کرتے ہیں اگر میں بھی ان پر عمل کروں تو کیا جنت میں آپ کے ساتھ ہو سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سیاہ رنگ لوگوں کو جنت میں وہ سفید رنگ دیا جائے گا جو ایک ہزار سال کے فاصلے سے دکھائی دے گا، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے اس کے لئے خدا کے پاس عہد مقرر ہو جاتا ہے اور جو شخص سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ کہے اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں تو ایک شخص نے کہا پھر یا رسول اللہ ہم کیسے ہلاک ہو جائیں گے؟ آپ نے فرمایا سنو! ایک شخص اتنی نیکیاں لے کر آئے گا کہ اگر کسی بڑے پہاڑ پر رکھی جائیں تو اس پر بوجھل پڑیں لیکن پھر خدا کی نعمتیں اس کے مقابلے میں آئیں گی تو قریب ہوگا کہ سب فنا ہو جائیں مگر یہ اور بات ہے کہ رحمت رب توجہ فرمائے، اسی وقت یہ سورت ہَلْ اَتٰی سے مُلْكًا كَبِيْرًا تک اتری تو اس حبشی نے کہا اے حضور! جو کچھ آپ کی آنکھیں جنت میں دیکھیں گی کیا میری آنکھیں بھی دیکھیں گی؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں، بس وہ رونے لگا یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کر گئی حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اسے دفن کیا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پھر اہل جنت کے لباس کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ سبز سبز رنگ کا مہین اور چمکدار ریشم ہوگا، سُنْدُس اعلیٰ درجہ کا خالص نرم ریشم جو بدن سے لگا ہوا ہوگا، اِسْتَبْرَق عمدہ بیش بہا گراں قدر ریشم جس میں چمک دمک ہوگی جو اوپر پہنایا جائیگا ساتھ ہی چاندی کے کنگن ہاتھوں میں ہوں گے، یہ لباس ابرار کا ہے، اور مقربین خاص کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ انہیں سونے کے کنگن ہیرے جڑے ہوئے پہنائے جائیں گے اور خالص نرم صاف ریشمی لباس ہوگا۔ ان ظاہری جسمانی استعمالی نعمتوں کے ساتھ ہی انہیں پر کیف بالذت سرور والی پاک اور پاک کرنے والی شراب پلائی جائے گی جو تمام ظاہری باطنی برائی دور کر دے گی حسد کینہ بد خلقی غصہ وغیرہ سب دور کر دے گی، جیسے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب اہل جنت جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو انہیں دو نہریں نظر آئیں گی اور انہیں از خود خیال پیدا ہوگا ایک کا وہ پانی پئیں گے تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا سب دور ہو جائے گا دوسری میں غسل کریں گے جس سے چہرے تر و تازہ ہشاش بشاش ہو جائیں گے، ظاہری اور باطنی خوبی دونوں انہیں بدرجہ کمال حاصل ہوں گی، جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے۔ پھر ان سے ان کے دل خوش کرنے کے لئے

ﷺ یہ روایت بوجوہ ناقابل اعتبار اور پایۂ اعتماد سے بالکل ساقط ہے

اور ان کی خوشی دوبالا کرنے کے لئے بار بار کہا جائے گا کہ یہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ اور تمہاری پچھلی کوششوں کی قدردانی ہے جیسے اور جگہ ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ دنیا میں جو اعمال تم نے کئے ان کی نیک جزا میں آج تم خوب سہتا پچتا کھاؤ اور اطمینان سے کھاتے پیتے رہو، اور فرمان ہے وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی آواز دی جائے گی کہ ان جنتوں کا وارث تمہیں تمہاری نیک کرداریوں کی بنا پر بنایا گیا ہے۔ یہاں فرمایا ہے کہ تمہاری سعی مشکور ہے تھوڑے عمل پر بہت اجر ہے۔ واللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے کرے آمین۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝۲۳ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ

ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (کہ اس میں تبلیغ بھی داخل ہے) مستقل رہیے اور ان میں سے کسی فاسق یا کافر

كَفُوْرًا ۝۲۴ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۲۵ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ

کے کہنے میں نہ آئیے اور اپنے پروردگار کا صبح و شام نام لیا کیجئے اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے

لَيْلًا طَوِيْلًا ۝۲۶ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَاۗءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝۲۷ نَحْنُ

رات کے بڑے حصہ میں اس کی تسبیح کیا کیجئے یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں ہم ہی

خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۝۲۸ اِنَّ هٰذِهٖ

نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اور (ہم) جب چاہیں ان ہی جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں یہ (سب جو کچھ مذکور ہوا) کافی

تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاۗءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝۲۹ وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف رستہ اختیار کرے اور بدون خدا کے چاہے تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے اور بعض وجوہ کی بنا پر

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۳۰ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۳۱

ع ۲۰

خدا تعالیٰ بڑا علم اور حکمت والا ہے جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور جس کو چاہے کفر اور ظلم میں مبتلا رکھتا ہے اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر اپنا خاص کرم جو کیا ہے اسے یاد دلاتا ہے کہ ہم نے تجھ پر بتدریج تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن کریم نازل فرمایا۔ اب اس اکرام کے مقابلہ میں تمہیں بھی چاہیے کہ میری راہ میں صبر و سہار سے کام لو میری قضاء و قدر پر صابر شاکر رہو دیکھو تو سہی کہ میں اپنی حسن تدبیر سے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچاتا ہوں، ان کافروں منافقوں کی باتوں میں نہ آنا گو وہ تبلیغ سے روکیں لیکن تم نہ رکنا بلا رو رعایت بغیر مایوسی اور تکان کے ہر وقت وعظ و نصیحت ارشاد و تلقین سے غرض رکھو میری ذات پر بھروسہ رکھو میں تمہیں لوگوں کی ایذا سے بچاؤں گا تمہاری عصمت کا ذمہ دار میں ہوں، فاجر

علیٰ اصل تو رحمت ہے بظاہر مؤمنین کے اعمال وجہ دخول جنت قرار دیئے گئے اور غور سے کام لیا جائے تو خود نیک عمل خدا تعالیٰ کی رحمت پر توفیق الٰہی کی موقوف ہے اس لئے رحمت ہی اصل ٹھہرا۔

کہتے ہیں بداعمال عاصی کو اور کفور کہتے ہیں دل کے منکر کو، دن کے اول آخر کے حصے میں رب کا نام لیا کرو، راتوں کو تہجد کی نماز پڑھو اور دیر تک خدا کی تسبیح کرو، جیسے اور جگہ فرمایا وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ الخ رات کو تہجد پڑھو عنقریب تمہیں تمہارا رب مقام محمود میں پہنچائے گا، سورۂ مزمل کے شروع میں فرمایا "اے لحاف اوڑھنے والے رات کا قیام کیا کر مگر تھوڑی رات آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ترتیل سے پڑھا" پھر کفار کو روکتا ہے کہ حب دنیا میں پھنس کر آخرت کو ترک نہ کرو، وہ تمہارا بچاؤ کا دن ہے اس فانی دنیا کے پیچھے پڑ کر اس خوفناک دن کی دشواریوں سے غافل ہو جانا عقلمندی کا کام نہیں پھر فرماتا ہے سب کے خالق ہم ہیں اور سب کی مضبوط پیدائش اور قوی قویٰ ہم نے ہی بنائے ہیں اور ہم بالکل ہی قادر ہیں کہ قیامت کے دن انہیں بدل کر نئی پیدائش میں پیدا کریں، یہاں ابتداء آفرینش کو اعادہ کی دلیل بنائی ہے۔" اور اس آیت کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر ہم چاہیں اور جب چاہیں ہمیں قدرت حاصل ہے کہ انہیں فنا کر دیں مٹا دیں اور ان جیسے دوسرے انسانوں کو ان کے قائم مقام کر دیں، جیسے اور جگہ ہے اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ الخ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو اے لوگو تم سب کو برباد کر دے اور دوسرے لائے، اللہ تعالیٰ اس پر ہر آن قادر ہے، اور جگہ فرمایا اگر چاہے تمہیں فنا کر دے اور نئی مخلوق لائے خدا پر یہ گراں نہیں، پھر فرماتا ہے یہ سورت سراسر عبرت و نصیحت ہے، جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کر کے خدا تعالیٰ سے ملنے کی راہ پر چلنے لگ جائے، جیسے اور جگہ فرمان ہے وَمَاذَا عَلَيْهِمْ الخ ان پر کیا بوجھ پڑ جاتا اگر یہ خدا کو قیامت کو مان لیتے؟ ✽ پھر فرمایا بات یہ ہے کہ جب تک خدا نہ چاہے تمہیں ہدایت کی چاہت بھی نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے مستحقین ہدایت کو وہ ہدایت کی راہیں آسان کر دیتا ہے اور ہدایت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے، اور جو اپنے آپ کو مستحق ضلالت بنا لیتا ہے اسے وہ ہدایت سے ہٹا دیتا ہے، ہر کام میں اس کی حکمت بالغہ اور حجت تامہ ہے، جسے چاہے اپنی رحمت تلے لے اور راہ راست پر کھڑا کر دے، اور جسے چاہے بے راہ چلنے دے اور راہ راست نہ سمجھائے، اس کی ہدایت نہ تو کوئی کھو سکے گا نہ اس کی گمراہی کو کوئی ہدایت سے بدل سکے گا اس کے عذاب گنہگاروں، ظالموں اور ناانصافوں کے لئے ہی مخصوص ہیں ✽ الحمدللہ سورۂ دہر کی تفسیر بھی ختم ہوئی، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ✽

تفسیر سورۂ مرسلات مکیہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ کے غار میں تھے جب یہ سورت اتری حضورؐ اس کی تلاوت کر رہے تھے اور میں آپ سے سن کر یاد کر رہا تھا کہ ناگہاں ایک سانپ ہم پر کودا اور حضورؐ نے فرمایا اسے مارو ہم جھپٹے لیکن وہ نکل گیا تو آپ نے فرمایا تمہاری سزا سے وہ بچ گیا جیسے تم اس کی ایذا سے محفوظ رہے (بخاری و مسلم) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ صاحبہ حضرت ام فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں اس سورت کی قرأت کرتے ہوئے سنا ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سورت کو پڑھتے ہوئے سن کر ام فضل نے فرمایا میرے عزیز آج تو تم نے یاد دلا دیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس سورت کو مغرب کی نماز میں پڑھتے ہوئے آخری مرتبہ سنا ہے (مسند احمد، صحیحین)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۝۱ فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۝۲ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۝۳ فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۝۴

قسم ہے اُن ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کیلئے بھیجی جاتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جو تندی سے چلتی ہیں (جس سے خطرات کا احتمال ہوتا ہے) اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو اٹھا کر پھیلاتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جو بادلوں کو

فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ۝۵ عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ۝۶ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ۝۷ فَاِذَا النُّجُوۡمُ

متفرق کر دیتی ہیں (جیسا بارش کے بعد ہوتا ہے) پھر ان ہواؤں کی جو (دل میں) اللہ کی یاد (یعنی توبہ کا یا ڈرانے کا) القا کرتی ہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے سو جب ستارے

طُمِسَتۡ ۝۸ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ۝۹ وَاِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ ۝۱۰ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ ۝۱۱ لِاَیِّ

بے نور ہو جاویں گے اور جب آسمان پھٹ جاویگا اور جب پہاڑ اُڑتے پھریں گے اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کیے جاویں گے کس دن کیلئے پیغمبروں کا معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے (آگے جواب

یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ۝۱۲ لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ ۝۱۳ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ۝۱۴ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ۝۱۵

ہے کہ) فیصلہ کے دن کیلئے (ملتوی رکھا گیا ہے) اور (آگے اس فیصلہ کے دن کی تہویل ہے کہ) آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ (مراد قیامت ہے) کا دن کیسا کچھ ہے (یعنی بہت سخت ہے) اُس روز

(تم) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی -

قیامت یقینی ہے

بعض اکابر صحابہ تابعین وغیرہ سے تو مروی ہے کہ مذکورہ بالا قسمیں ان اوصاف والے فرشتوں کی کھائی ہیں، بعض کہتے ہیں پہلی کی چار قسمیں تو ہواؤں کی ہیں اور پانچویں قسم فرشتوں کی ہے، بعض نے کچھ نہیں کہا کہ آیا وَالۡمُرۡسَلٰتِ سے مراد فرشتے ہیں یا ہوائیں ہیں۔ ہاں وَالۡعٰصِفٰتِ کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے مراد تو ہوائیں ہیں۔ بعض عاصفات میں یہ فرماتے ہیں۔ اور ناشرات میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ناشرات سے مراد بارش ہے، بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرسلات سے مراد ہوائیں ہیں جیسے اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے وَاَرۡسَلۡنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ الخ یعنی ہم نے ہوائیں چلائیں جو ابر کو بوجھل کرنے والیاں ہیں، اور جگہ ہے یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًا الخ اپنی رحمت سے پیشتر اس کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں وہ چلاتا ہے۔ عاصفات سے بھی مراد ہوائیں ہیں، وہ نرم ہلکی اور بھینی بھینی ہوائیں تھیں۔ یہ ذرا تیز جھونکوں والی اور آواز والی ہوائیں ہیں۔ ناشرات سے مراد بھی ہوائیں ہیں جو بادلوں کو آسمان میں ہر چہار سو پھیلا دیتی ہیں اور جدھر خدا کا حکم ہوتا ہے اُنہیں لے جاتی ہیں۔ فارقات اور ملقیات سے مراد البتہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسولوں پر وحی لے کر آتے ہیں جس سے حق و باطل، حلال و حرام میں ضلالت و ہدایت میں امتیاز اور فرق ہو جاتا ہے تاکہ لوگوں کے عذر ختم ہو جائیں اور منکرین کو تنبیہ ہو جائے۔ ان قسموں کے بعد فرمان ہے کہ جس قیامت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے جس دن تم سب کے سب اول آخر والے اپنی اپنی قبروں سے دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور اپنے کرتوت کا پھل پاؤ گے، نیکی کی جزا اور بدی کی سزا۔ صور پھونکا جائیگا اور ایک چٹیل میدان میں تم سب جمع کر دیئے جاؤ گے۔ یہ وعدہ یقیناً حق ہے اور ہو کر رہنے والا اور لازمی طور پر آنے والا ہے، اس دن ستاروں کا نور اور اُن کی چمک دمک ماند پڑ جائے گی۔ جیسے فرمایا وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ ۝۔ اور جگہ فرمایا وَاِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ ۝ ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا۔

ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیگا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر اُڑ جائیں گے یہاں تک کہ نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا، جیسے اور جگہ ہے وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ الخ اور جگہ فرمایا وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ الخ یعنی پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر اُڑ جائیں گے اور اُس دن وہ چلنے لگیں گے بالکل نام و نشان مٹ جائے گا اور زمین ہموار بغیر اونچ نیچ کے رہ جائے گی اور رسولوں کو جمع کیا جائیگا اُس وقتِ مقررہ پر اُنہیں لایا جائیگا جیسے اور جگہ ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ الخ اُس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کریگا اور اُن سے شہادتیں لے گا جیسے اور جگہ ہے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ الخ زمین اپنے رب کے نور سے چمک اُٹھے گی، نامۂ اعمال دیدیئے جائیں گے، نبیوں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا اور حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کئے جائیں گے اور کسی پر ظلم نہ ہوگا، پھر فرماتا ہے کہ ان رسولوں کو ٹھیرایا گیا تھا اس لئے کہ قیامت کے دن کے فیصلے ہوں گے جیسے فرمایا فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ الخ یہ خیال نہ کر کہ خدا تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ بڑے غلبہ والا اور انتقام والا ہے جس دن یہ زمین بدل دی جائیگی اور آسمان بھی بدلدیا جائیگا اور سب کے سب اللہ واحد و قہار کے سامنے پیش ہوجائیں گے، اسی دن کو یہاں فیصلے کا دن کہا گیا، پھر اُس دن کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے فرمایا میرے معلوم کرائے بغیر اے نبی تم بھی اُس دن کی حقیقت سے باخبر نہیں ہو سکتے، اُس دن ان جھٹلانے والوں کے لئے سخت خرابی ہے۔ ایک غیر صحیح حدیث میں یہ بھی گذر چکا ہے کہ وَیْل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْآخِرِينَ ﴿١٧﴾ كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿١٨﴾

(آگے عذاب کی تنذیر ہے یعنی) کیا ہم اگلے (کافر) لوگوں کو (عذاب سے) ہلاک نہیں کرچکے پھر پچھلوں کو بھی (عذاب میں) ان (پہلوں) ہی کے ساتھ ساتھ کردیں گے۔ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٩﴾ أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ﴿٢٠﴾ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ

ہی کیا کرتے ہیں (یعنی ان کے کفر پر سزا دیتے ہیں) اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے قدرت علی البعث کی تقریر ہے یعنی) کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی

مَكِينٍ ﴿٢١﴾ إِلَىٰ قَدَرٍ مَعْلُومٍ ﴿٢٢﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ ﴿٢٣﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

(یعنی نطفہ سے نہیں بنایا) پھر ہم نے اس کو ایک وقتِ مقررہ تک ایک محفوظ جگہ (یعنی عورت کے رحم) میں رکھا غرض ہم نے (ان تصرفات کا ایک اندازہ ٹھیرایا سو ہم کیسے اچھے انداز

لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٤﴾ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾ أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا

ٹھیرانے والے ہیں اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا — اور ہم نے اس زمین میں

رَوَاسِيَ شَامِخَاتٍ وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا ﴿٢٧﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٨﴾

اونچے اونچے پہاڑ بنائے (جن سے بہت منافع متعلق ہیں) اور ہم نے تم کو میٹھا پانی پلایا — اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی

عبرت انگیز معاملات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم سے پہلے بھی جن لوگوں نے میرے رسولوں کی رسالت کو جھٹلایا میں نے انہیں تہس نہس کر دیا، پھر اُن کے بعد اور آئے انہوں نے بھی ایسا ہی کیا اور ہم نے انہیں بھی اُسی طرح غارت کر دیا، ہم مجرموں کی غفلت کا یہی بدلہ دیتے چلے آئے ہیں، اس دن ان جھٹلانے والوں کی دُرگت ہوگی، پھر اپنی مخلوق کو اپنا احسان یاد دلاتا ہے اور منکرین قیامت کے سامنے دلیل پیش کرتا ہے کہ ہم نے اُسے حقیر و ذلیل قطرے سے پیدا کیا جو خالقِ کائنات کے

لـه جصاص فقیہ نے ارض (زمین) کے ذکر کے بعد اموات (مردوں) کا ذکر ہونے سے استدلال کیا ہے کہ مردہ کو زمین ہی میں دفن کرنا چاہیئے۔ الفاظ جصاص کے یہ ہیں وھذا یدل علی وجوب مواراۃ المیت و دفنہ و دفن شعرہ و سائر ما یزایلہ۔

سامنے ناچیز محض تھا، جیسے سورۂ یٰسین کی تفسیر میں گذر چکا کہ اے ابن آدم! بھلا تو مجھے عاجز کر سکے گا میں نے تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے، پھر اس قطرے کو ہم نے رحم میں جمع کیا جو اس پانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے اسے بڑھاتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے، مدت مقررہ تک وہ وہیں رہا یعنی چھ مہینے یا نو مہینے، ہمارے اس اندازے کو دیکھو کس قدر صحیح اور بہترین ہے، پھر بھی اگر تم اس آنیوالے دن کو نہ مانو گے تو یقین جانو کہ تمہیں قیامت کے دن بڑی حسرت اور سخت افسوس ہوگا۔ پھر فرمایا کیا ہم نے زمین کو یہ خدمت سپرد نہیں کی کہ وہ تمہیں زندگی میں بھی اپنی پیٹھ پر چلاتی رہے اور موت کے بعد بھی تمہیں اپنے پیٹ میں چھپا رکھے، پھر زمین کے نہ ہلنے جلنے کے لئے ہم نے مضبوط وزنی بلند پہاڑ اس میں گاڑ دیئے اور بادلوں سے برستا ہوا اور چشموں سے رستا ہوا ہلکا زود ہضم خوشگوار پانی ہم نے تمہیں پلایا، ان نعمتوں کے باوجود بھی اگر تم میری باتوں کو جھٹلاتے ہی رہے تو یاد رکھو وہ وقت آرہا ہے جب حسرت و افسوس کرو گے اور کچھ کام نہ آئے گی ۔۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا

تم اس عذاب کی طرف چلو جس کو جھٹلایا کرتے تھے ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جس میں

ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾

نہ (ٹھنڈا) سایہ ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے وہ انگارے برسا دیگا جیسے بڑے بڑے محل جیسے کالے کالے اونٹ

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی یہ وہ دن ہوگا جسمیں وہ لوگ نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو اجازت (عذر کی) ہوگی سو عذر بھی نہ کر سکیں گے

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ

اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (ان لوگوں سے کہا جاویگا کہ) یہ ہے فیصلہ کا دن (جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے) ہم نے (آج) تم کو اور اگلوں کو

كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع

(فیصلہ کیلئے) جمع کر لیا سو اگر تمہارے پاس (آج کے فیصلہ سے بچنے کی) کوئی تدبیر ہو تو مجھ پر تدبیر چلاؤ اس روز (حق کے) جھٹلانیوالوں کی بڑی خرابی ہوگی

ع ۱ / ۲۱

وہ اب یہ مشاہدات

جو کفار قیامت کے دن کو اور جزا و سزا کو، جنت دوزخ کو جھٹلاتے تھے اُن سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ لو، جسے سچا نہ مانتے تھے وہ سزا اور وہ دوزخ یہ موجود ہے اس میں جاؤ۔ اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اونچے اونچے ہو ہو کر اُن میں تین پھانکیں کھل جاتی ہیں، تین حصّے ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی دُھواں بھی اُوپر کو چڑھتا ہے جس سے نیچے کی طرف چھاؤں پڑتی ہے اور سایہ معلوم ہوتا ہے لیکن فی الواقع نہ وہ سایہ ہے نہ آگ کی حرارت کو کم کرتا ہے۔ یہ جہنم اتنی تیز و تند سخت اور بکثرت آگ والی ہے کہ اس کی چنگاریاں جو اڑتی ہیں وہ بھی مثل قلعہ کے اور تناور درخت کے مضبوط لمبے چوڑے تنے کے ہیں اور دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ سیاہ رنگ کے اونٹ ہیں یا کشتیوں کے رسّے ہیں یا تانبے کے ٹکڑے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم جاڑے کے موسم میں تین تین ہاتھ کی یا کچھ زیادہ لمبی لکڑیاں لے کر اُنہیں بلند کر لیتے اُسے ہم قصر کہا کرتے تھے

کشتی کی رسیاں جب اکٹھی ہو جاتی ہیں تو خاصی اونچی قد آدم ہو جاتی ہیں۔ اسی کو یہاں مراد لیا گیا ہے ان جھٹلانے والوں پر حسرت و افسوس ہے، آج نہ بول سکیں گے اور نہ انہیں عذر و معذرت کرنے کی اجازت ملے گی، کیونکہ ان پر حجت قائم ہو چکی اور ظالموں پر خدا کی بات ثابت ہو گئی اب انہیں بولنے کی اجازت نہیں، یہ یاد رہے کہ قرآن کریم میں ان کا بولنا، انکار کرنا، چھپانا اور عذر کرنا بھی بیان ہوا ہے تو مطلب یہ ہے کہ حجت قائم ہونے سے پہلے عذر معذرت وغیرہ پیش کریں گے جب سب توڑ دیا جائیگا اور دلیلیں پیش ہو جائیں گی تو اب بول چال عذر معذرت ختم ہو جائیگی، غرض میدانِ حشر کے مختلف مواقع اور لوگوں کی مختلف حالتیں ہوں گی، کسی وقت یہ کسی وقت وہ اسی لئے یہاں ہر کلام کے خاتمہ پر جھٹلانے والوں کی خرابی کی خبر دے دیجاتی ہے، پھر فرماتا ہے کہ یہ فیصلہ کا دن ہے، اگلے پچھلے سب یہاں جمع ہیں اگر تم کسی چالاکی اور مکاری سے ہوشیاری اور فریب دہی سے میرے قبضہ سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ پوری کوشش کر لو، خیال فرمائیے کہ کس قدر دل ہلا دینے والا فقرہ ہے، پروردگار عالم خود قیامت کے دن ان منکروں سے فرمائیگا کہ اب خاموش کیوں ہو؟ وہ چلت پھرت چالاکی اور بے باکی کیا ہوئی؟ دیکھو میں نے تم سب کو ایک میدان میں حسب وعدہ جمع کر دیا آج اگر کسی حکمت سے مجھ سے چھوٹ سکتے ہو تو کوتاہی نہ کرو جیسے اور جگہ ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ یعنی اے جن و انس کے گروہ اگر تم آسمان و زمین کے کناروں سے باہر چلے جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ مگر اتنا سمجھ لو کہ بغیر قوت کے تم باہر نہیں جا سکتے (اور وہ تم میں نہیں) اور جگہ ہے وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا یعنی تم خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، حدیث شریف میں ہے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو! نہ تو تمہیں مجھے نفع پہنچانے کا اختیار ہے نہ نقصان پہنچانے کا، نہ تم مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہو نہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو، حضرت ابو عبداللہ جدلی فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس گیا دیکھا کہ وہاں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں میں بھی بیٹھ گیا تو میں نے سنا کہ حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک صاف چٹیل میدان میں جمع کریگا، آواز دینے والا آواز دے کر سب کو ہوشیار کر دے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیگا آج کا دن فیصلوں کا دن ہے تم سب اگلے پچھلوں کو میں نے جمع کر دیا ہے، اب میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ کوئی دغا فریب مکر حیلہ کر سکتے ہو تو کر دو۔ سنو! متکبر سرکش منکر اور جھٹلانے والا آج میری پکڑ سے بچ نہیں سکتا اور نہ کوئی نافرمان شیطان میرے عذاب سے نجات پا سکتا ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لو ایک حدیث میں بھی سنا دوں، اس دن جہنم اپنی گردن دراز کر کے لوگوں کے بیچوں بیچ پہنچا کر باآواز بلند کہے گی اے لوگو! تین قسم کے لوگوں کو ابھی ہی پکڑ لینے کا مجھے حکم مل چکا ہے، میں انہیں خوب پہچانتی ہوں، کوئی باپ اپنی اولاد کو اور کوئی بھائی اپنے بھائی کو اتنا نہ جانتا ہوگا جتنا میں انہیں پہچانتی ہوں آج نہ تو وہ مجھ سے کہیں چھپ سکتے ہیں، نہ کوئی انہیں چھپا سکتا ہے۔ ایک تو وہ جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک کیا ہو، دوسرے وہ جو منکر اور متکبر ہو، اور تیسرے وہ جو نافرمان شیطان ہو۔ پھر وہ مڑ مڑ کر چن چن کر ان اوصاف کے لوگوں کو میدان حشر میں سے چھانٹ لے گی اور ایک ایک کو پکڑ پکڑ کر نگل جائیگی اور حساب سے چالیس سال پہلے ہی یہ جہنم واصل ہو جائیں گے (اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے)۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

پرہیزگار لوگ سایوں میں اور چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہوں گے (اور ان سے کہا جا ویگا کہ) اپنے اعمال کے (نیک صلہ

هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٤﴾

میں) خوب مزے سے کھاؤ پیو۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (اور یہ کفار نعماء جنت کی بھی تکذیب کرتے ہیں)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٥﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٦﴾ وَيْلٌ

سو سمجھ رکھیں کہ (اس روز حق کے) جھٹلانیوالوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ تم (دنیا میں) تھوڑے دن اور کھالو برت لو (عنقریب کمبختی آنیوالی ہے کیونکہ) تم بے شک مجرم ہو

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٧﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿٨﴾ وَيْلٌ

اس روز (حق کے) جھٹلانیوالوں کی بڑی خرابی ہوگی — اور (ان کافروں کی سرکشی اور جرم کی یہ حالت ہے کہ) جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ (خدا کی طرف) جھکو تو نہیں جھکتے

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٩﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠﴾

اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی — تو پھر اس (قرآن بلیغ الالفاظ والانداز) کے بعد اور پھر کونسی بات پر ایمان لادیں گے

نیکوکار اور خدا تعالیٰ کی رحمتیں

اور چونکہ بدکاروں کی سزاؤں کا بیان ہوا تھا یہاں نیکوکاروں کی جزا کا بیان ہو رہا ہے کہ جو لوگ متقی پرہیزگار تھے، خدا کے عبادت گزار تھے، فرائض اور واجبات کے پابند تھے، خدائے تعالیٰ کی نافرمانیوں سے حرام کاریوں سے بچتے تھے وہ قیامت کے دن جنتوں میں ہوں گے جہاں قسم قسم کی نہریں چل رہی ہیں، گنہگار سیاہ بدبودار دھوئیں میں گھرے ہوئے ہوں گے، اور یہ نیک کردار جنتوں کے گھنے ٹھنڈے اور پُر کیف سایوں میں بہ آرام تمام لیٹے بیٹھے ہوں گے، سامنے صاف شفاف چشمے اپنی پوری روانی سے جاری ہوں گے۔ قسم قسم کے پھل میوے اور ترکاریاں موجود ہوں گے، جیسے جب جی چاہے کھائیں گے۔ نہ روک ٹوک ہوگی، نہ کمی اور نقصان کا اندیشہ ہوگا، نہ فنا ہونے اور ختم ہونے کا خطرہ ہوگا۔ پھر حوصلہ بڑھانے اور دل میں خوشی کو دوبالا کرنے کے لئے خداوند تبارک و تعالیٰ کی طرف سے بار بار فرمان ہوگا کہ اے میرے پیارے بندو! اے جنتیو! تم بہ خوشی اور با فراغت سہتا پچتا خوب کھاؤ پیو۔ ہم ہر نیک کار پرہیزگار مخلص انسان کو اسی طرح بھلا بدلہ اور نیک جزا دیتے ہیں، ہاں جھٹلانے والوں کی تو آج بڑی خرابی ہے۔ ان جھٹلانے والوں کو دھمکایا جاتا ہے کہ اچھا دنیا میں تو تم کچھ کھا پی لو، برت برتا لو، فائدے اُٹھا لو، عنقریب یہ نعمتیں بھی فنا ہو جائیں گی اور تم بھی موت کے گھاٹ اُترو گے، پھر تمہارا نتیجہ جہنم ہی ہے جس کا ذکر اوپر گزر چکا۔ تمہاری بداعمالیوں اور سیہ کاریوں کی سزا ہمارے پاس تیار ہے۔ کوئی مجرم ہماری نگاہ سے باہر نہیں۔ قیامت کو ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہماری وحی کو نہ ماننے والا، اُسے جھوٹا جاننے والا قیامت کے دن سخت نقصان میں اور پورے خسارے میں ہوگا۔ اُس کی سخت خرابی ہوگی۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ دنیا میں ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچا دیں گے پھر تو ہم انہیں سخت عذاب کی طرف بے بس کر دیں گے اور جگہ فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ یعنی خداوند تبارک و تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے کامیاب نہیں ہو سکتے، دنیا میں معمولی اور فانی فائدہ اُٹھالیں پھر اُن کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے ہم اُنہیں اُن کے کفر کی سزا میں سخت تر عذاب چکھائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ان نادان منکروں کو جب کہا جاتا ہے کہ آؤ خدا کے سامنے جھک تو لو، جماعت کے ساتھ نماز تو ادا کر لو تو ان سے یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اس سے بھی جی چراتے ہیں بلکہ اسے حقارت سے دیکھتے اور تکبر کے ساتھ انکار کر دیتے ہیں۔ ان کے لئے جو جھٹلانے میں عمریں گزار دیتے ہیں قیامت کے دن بڑی مصیبت ہوگی۔ پھر فرمایا جب یہ لوگ اس پاک کلام مجید پر بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر کس کلام کو مانیں گے؟ جیسے اور جگہ ہے فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ پر اور اس کی آیتوں پر

جب یہ ایمان نہ لائے تو اب کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے تو اُسے اُس کے جواب میں اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَبِمَآ اُنْزِلَ کہنا چاہیئے۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اُس کی اُتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا۔ یہ حدیث سورۂ قیامہ کی تفسیر میں بھی گذر چکی ہے۔ الحمد للہ سورۂ مرسلات کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُنتیسویں ۲۹ پارے کی تفسیر بھی پوری ہوئی۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے کلام پاک کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اس پر عمل کی توفیق دے اور اسے قبول فرمائے آمین یا رب العالمین

ف ۵ تاکہ ان منکرین سے قطعاً آپ ممتاز ہو جائیں جو کہ خدا تعالیٰ اور اس کی نازل کردہ کتابوں پر یقین نہیں رکھتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار سے عملاً تو جدا ہونا ہی ہے تولاً بھی علیحدگی پسندی اسلام میں مطلوب ہے۔ ؎